وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا

اور اگر تم ان کی اطاعت کرو تو ہدایت پا لو گے

سید البشر ﷺ



از علامہ قاضی محمد سلیمان سلمانؔ منصور پوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقيق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

اُمّی کتب
UMMI KUTUB

وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ

اور اگر تم ان کی اطاعت کرو تو ہدایت پالو گے

سیّد البشر صلی اللہ علیہ وسلم

از

علامہ قاضی محمد سلیمان سلمانؔ منصور پوریؒ

مصنف

رحمۃ للعالمین، شرح اسماء الحسنٰی، تاریخ المشاہیر، تاریخ الحرمین، تفسیر سورۃ یوسف، تائید الاسلام، غایت المرام، مہر نبوت، اصحاب بدر

مکاتیب سلمان، خطبات سلمان، گلدستہ مضامین سلمان

مترجم۔ الصلوٰۃ والسلام، از ابن قیم، آئینہ تصوف از امام الغزالی

اشاعت: 2006

اُمی کتب

لاہور، اسلام آباد

رابطہ:

248

(کرنل) شاہد حمید

نمبر 882، سٹریٹ نمبر 34

سیکٹر: G-10/1 اسلام آباد، پاکستان۔

فون: 051-2101375

051-9266423

(قاضی) حسن معزالدین

B-31، ماڈل ٹاؤن، لاہور، پاکستان۔

فون: 042-535 1356

0321-4471714

hasanmuizudin@yahoo.com
hasanmuizudin@hotmail.com

مرتبین: محترمہ حنیفہ انجم قاضی
محترمہ زبیدہ شہاب قاضی

سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم

از

علامہ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ

اشاعت : بہ اہتمام

حنیفہ انجم قاضی

زبیدہ شہاب قاضی

UMMI KUTUB

فہرست

تعارف

۱۔ علامہ قاضی محمد سلیمان، سلمان منصور پوریؒ

سوانح حیات پر مفصل کتاب ہے۔(مولانا) محمد اسحٰق بھٹی صاحب کی تالیف ہے، اور حافظ احمد شاکر صاحب کے مکتبہ قدوسیہ لاہور نے شائع کی ہے۔اس کتاب ''سید البشرؐ''میں بھی ان کی سوانح حیات کے ایک پہلو پر مولانا اسحٰق بھٹی صاحب کا ایک مضمون شامل ہے۔جو اُن کی اجازت سے ان کی قابلِ قدر تالیف ''اہل حدیث خدام القرآن'' (مکتبہ قدوسیہ) سے من وعن (صفحہ نمبر 95-104) پر درج کیا گیا ہے۔

۲۔ قاضی عبدالعزیز، عزیز منصور پوریؒ

حضرت قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ کے اکلوتے فرزند ارجمند تھے۔سر سید احمد خان کی ہدایت پر علیگڑھ یونیورسٹی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔اپنے نام کے ساتھ ہمیشہ بی-اے (علیگ) لکھتے تھے۔تعلیم کے بعد مولانا محمد علی جوہر سے وابستہ ہوئے۔اور ان کے انگریزی روزنامہ 'کامریڈ' اور اردو روزنامہ 'ہمدرد' کے عملہ ادارت میں شامل رہے۔ان اخبارات کی بندش کے بعد واپس وطن (پٹیالہ سٹیٹ) آ کر محکمہ تعلیم میں ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز کے عہدہ پر گزٹیڈ افسر بنے۔پٹیالہ دربار کے آداب کی رو سے ان کے نام سے پہلے سردار کا خطاب لکھا جاتا تھا۔

اردو، فارسی، عربی، انگریزی پر مکمل عبور تھا۔صاحبِ دیوان شاعر تھے۔فارسی اور اردو میں کلام لکھا۔ریٹائرمنٹ کے بعد مہاجر بنے اور پاکستان آ گئے۔یہاں ''رحمۃ للعالمین'' کے انگریزی ترجمہ کی تکمیل میں عمر صرف کی۔جبکہ حالاتِ بود و باش نا مساعد تھے اور تصنیف و تالیف کے وسائل بھی مہیا نہ تھے۔اس ترجمہ کو ان کے بڑے بیٹے قاضی عبدالباقی قدسی صاحب نے ایڈٹ کیا اور سلمان آرٹ پریس لاہور کے مالک محترم برادرم (قاضی) خلیل الرحمان سلمان نے شائع کیا۔

صوفی منش تھے۔سلسلہ عالیہ نقش بندیہ میں خلافت پائی اور صاحب مجاز ہوئے۔مراقبات، وظائف، نوافل میں دن رات کا اکثر وقت گزرتا، صلوٰۃ جمعۃ المبارک کی خطابت اور امامت بھی

کی ۔اور کچھ روز تراویح کی نماز بھی پڑھائی۔ 27اگست 1957 کو وفات پائی۔عثمان بلاک، گارڈن ٹاؤن، لاہور کے قبرستان میں مدفون ہیں۔رحمتہ اللہ علیہ۔

۳۔ قاضی صوفی حبیب الرحمٰن منصور پوریؒ (وفات 15 جولائی 1957)

قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ کے اکلوتے بھائی، قاضی عبدالرحمٰن (المعروف وکیل صاحبؒ) کے اکلوتے فرزند تھے۔تمام عمر صوفی منش رہے۔کسی ایک جگہ مستقل قیام نہ کیا۔

غالباً، ایم اے او ہائی سکول / کالج میں قاضی محمد سلیمانؒ منصور پوری کی چار روزہ تقریر میں حاضر تھے اور نوٹس لیتے رہے۔ترتیب دے کر ''سید البشر'' کو خود ہی شائع کیا۔ (سنِ اشاعت 1954!) قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ کے دیگر مضامین اور خطبات کو بھی مرتب کرنے میں ناشران کے ساتھ عملی تعاون کیا۔جزاھم اللہ۔صوفی صاحب کے اکلوتے فرزند اور قاضی محمد سلیمانؒ کے نواسے، قاضی رضی الرحمٰنؒ نے '' سید البشرؐ '' کا پہلا ایڈیشن، محترمہ زبیدہ شہاب قاضی کو برائے اشاعتِ ثانی مرحمت فرمایا۔صوفی حبیب الرحمٰن صاحبؒ کی اپنی تالیف ''عشرہ مبشرہ '' کے عنوان سے شائع ہوئی ہے۔''سید البشر'' کے اس ایڈیشن کی از سرِ نو ترتیب، معہ اضافہ جات کی خدمت قاضی عبدالعزیز منصور پوریؒ کی دختر ان ارجمند نے سرانجام دی۔

۴۔ محترمہ حنیفہ انجم قاضی

پنجاب یونیورسٹی سے ادیب عالم، منشی فاضل کی اسناد حاصل کیں۔اپنے والد، قاضی عبدالعزیز منصور پوریؒ سے براہ راست روحانی اور علمی تربیت کا فیض حاصل کیا۔اردو اور فارسی میں حمد و نعت کا مجموعہ ''غالیہ خوشبو'' شائع ہو چکا ہے۔

صوفی منش ہیں۔سلسلہء عالیہ نقش بندیہ میں کسی اعلیٰ مقام کی حامل اور تبلیغی جماعت (شعبہ خواتین) میں بھی کسی مقام کی حامل ہیں 20،25 سال سے ان کی رہائش (اسلام آباد) پر باقاعدگی سے خواتین کیلئے درس ہوتا ہے۔اور ان کی لائق فرزند، محفل نقش بندیہ کے مخصوص

اجتماعات کا اہتمام کرتے ہیں، جن کا تعارف ''غالیہ خوشبو' کے دیباچہ میں درج ہے۔

۵۔ محترمہ زبیدہ شہاب قاضی

قاضی عبدالعزیز صاحب کے چار پسران ، اور پانچ دختران میں ان کا ساتواں نمبر تھا۔قاضی محمد سلیمان صاحب کے عہد حیات میں پیدائش ہوئی۔پنجاب یونیورسٹی سے بی اے، اور بی ٹی کی ڈگری حاصل کی ۔کچھ عرصہ ایک سرکاری تعلیمی ادارہ میں 'پرنسپل' کے عہدہ پر کام کیا۔ جناب حبیب اللہ شہاب سے نکاح ہوا۔ جو قدرت اللہ شہاب صاحب کے حقیقی برادر تھے۔ چاروں دختران کو اعلیٰ تعلیم سے آراستہ کیا۔ان کی خانہ آبادی کے فرض سے سبکدوش ہوکر عربی زبان کو سیکھا۔الہدای کے اسلام آباد مرکز سے تفسیر قرآن کا درس مکمل کیا۔پھر''الہدای'' نے ہی ان کو تفسیر قرآن ،اور قرآنی عربی کی تدریس پر آمادہ کرلیا۔خاموشی کے ساتھ شاعری پر مائل ہوکر صرف حمد باری تعالیٰ پر کلام لکھا۔

8 اکتوبر 2005ء کو بحالت روزہ، درس پر جانے کیلیے تیار ہوئیں کہ اچانک زلزلہ سے ان کی رہائش (مارگلہ ٹاور اسلام آباد)زمین بوس ہوئی اور ہمشیرہ زبیدہ قاضی نے شہادت پائی۔سید البشر کی ترتیب،اور پروف ریڈنگ وغیرہ سے فارغ ہوچکی تھیں۔اخراجاتِ طباعت میں اپنا حصہ مختص کرچکی تھیں۔ان کا کلامِ حمدِ باری تعالیٰ،ان کی دختران کے پاس محفوظ رہا۔جو عطا ہوا، وہ اس ایڈیشن میں شامل ہے۔اللہ تعالیٰ جزا دے۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ سے نسبی تعلق کی بنا پر میں نے اس تعارف میں اِختصار اور اِنکسار پر اِنحصار کیا ہے۔

یہ ایڈیشن بغیر مالی ہدیہ کے اہل بصیرت قاری کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

(قاضی) حسن معزالدین

حفید: قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ

(حسن معز الدین)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پس منظر

ہائی سکول یا او لیول کے طالب علموں کی قابلیت کے مطابق اردو زبان میں سیرت رسول ﷺ پر یہ کتاب تقریر کے پیرائے میں لکھی گئی ہے۔ اور چونکہ تقریر کا تقاضا ہوتا ہے کہ زبان سننے والوں کی علمی اہلیت کے مطابق ہو۔ اس لیے سلیس زبان اور آسان لہجہ اختیار کیا گیا ہے۔ آسان اسلوب کے باوجود یہ سیرت رسول ﷺ پر ایک جامع کتاب ہے جس میں سیرت کے تمام اہم نکات آ گئے ہیں۔ بفضلہٖ تعالیٰ العظیم۔

کتاب کے مطالعے اور اس سے صحیح استفادہ کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ تقریر ایم اے او ہائی سکول / کالج امرتسر کے سالانہ جلسے میں کی گئی تھی۔ امرتسر اب ہندوستان کے صوبہ پنجاب میں واہگہ سے تقریباً بیس میل دور ہے۔ سکھ مذہب کی سب سے بڑی عبادت گاہ گوردوارہ دربار صاحب اسی شہر میں ہے۔ جس کا سنگِ بنیاد حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ نے رکھا تھا۔

مسلمان نہ صرف امرتسر شہر میں اقلیت میں تھے بلکہ اس زمانہ کے (متحدہ) ہندوستان بھر میں بھی مسلمان اقلیت میں تھے۔ اور ان کی تعداد بیس پچیس فیصد سے زیادہ نہ تھی۔ اور باقی تمام آبادی ہندو، سکھ، بدھ، عیسائی، پارسی لوگوں پر مشتمل تھی۔ ہر جگہ ہر وقت مسلمان کا واسطہ غیر مسلم سے رہتا تھا۔ آپس میں مقابلہ بھی تھا۔ اور میل جول بھی۔ اس وقت کے حالات آج سے بہت مختلف تھے۔ آج اسلامی جمہوریہ پاکستان میں مسلمان کل آبادی کے چھیانوے فیصد کے قریب ہیں۔

میں نے 1945ء میں پٹیالہ شہر سے میٹرک پاس کیا (ریاست پٹیالہ ہی میں قاضی محمد سلیمانؒ منصور پوری سیشن جج رہے۔ 1930ء میں دوسرے حج سے واپسی کے سفر میں بحری جہاز پر ہی قاضی صاحب کا انتقال ہوا)۔ مسلم ہائی اسکول پٹیالہ میں ہندو طالب علم بھی تھے۔

میرا ہندو کلاس فیلو تو ڈرل کے پیریڈ کا مانیٹر تھا۔اور آگے کھڑا ہوتا تھا۔اسی زمانے میں سکھوں کے خالصہ ہائی سکول میں ایک مسلمان طالب علم نے میٹرک میں بہت زیادہ نمبر لے کر ریکارڈ توڑ دیا تھا۔اور سارے شہر میں خالصہ سکول والوں نے اپنی شہرت کے لیے اشتہار لگا دیئے تھے۔مہندرا کالج پٹیالہ میں ہندو سکھ بھی پروفیسر تھے اور مسلمان بھی۔فارسی کی کلاس میں زیادہ تعداد ہندو لڑکوں کی تھی۔ فارسی کے پروفیسر ایک سکھ عالم تھے۔اُردو کے ایک ہندو اور انگریزی کی کلاس میں ایک مسلمان پروفیسر صاحب تھے۔اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس وقت برصغیر جنوبی ایشیا کس طرح مختلف تہذیبی اور مذہبی گروہوں کا گہوارہ تھا۔اسوقت کے طالب علم اس طرح کے تمدنی حالات میں رہتے تھے کہ جگہ جگہ انہیں غیر مسلموں سے واسطہ پڑتا تھا۔ان کے تہوار دسہرہ /دیوالی مسلمان دیکھتے اور مسلمانوں کی عید الفطر کی چہل پہل ،محرم اور بارہ وفات کے جلوس کی شوکت سے غیر مسلم لطف اندوز ہوتے۔اور ان مواقع پر تحائف کے تبادلے بھی ہوتے تھے۔

ظاہر ہے کہ ایم۔اے۔او (محمڈن اینگلو اورینٹل) ہائی سکول امرتسر میں بھی لازماً کچھ غیر مسلم طالب علم یا ٹیچر ہونگے۔اس پس منظر میں فاضل مقرر کی سیرت رسول اللہ ﷺ پر اس فاضلانہ تقریر کے متعلق بآسانی تصور کیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے اپنی تقریر میں سری رام چندر، سری کرشن، حضرت زرتشت، مہاتما گوتم بدھ، بابا گورونانک اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر خیر کیوں کیا۔اسی طرح انگریز مصنفوں کا بھی اس کتاب میں کئی جگہ ذکر ہوا۔

ایم اے او ہائی سکول، ایم اے او کالج بن گیا تھا۔اور 1947ء کے بعد امرتسر سے لاہور منتقل ہوگیا اور سناتن دھرم کالج کی متروکہ عمارت میں آج تک لاہور کا ایک نامور کالج ہے۔ایم اے او ہائی سکول کی بنیاد انجمن اسلامیہ امرتسر نے رکھی۔جو 1873ء میں قائم ہوئی تھی۔1885ء تک اسکول میں انٹرینس (میٹرک) تک کی تعلیم شروع ہو چکی تھی۔سکول کے پہلے ہیڈ ماسٹر ایک غیر مسلم انگریز راتھ ویل صاحب تھے۔1886ء کے ریکارڈ کے مطابق ایک تہائی طالب علم غیر مسلم (ہندو، سکھ وغیرہ) تھے۔1884 میں وائسرائے لارڈ رپن (Rippon)،

1886ء میں گورنر پنجاب لارڈ ایچی سن (Aitchison) دورہ پر آئے۔1889ء میں بی اے تک کی تعلیم دی جانے لگی۔گو پہلے سال کے تمام طلباء فیل ہو گئے تھے پھر یہ طے پایا کہ ذہین طلبا کو داخلے دیے جائیں اور ترغیب تعلیم کے لیے ان سب کو وظیفے دیے جائیں۔1891-1888ء کے ریکارڈ کے مطابق کل تعداد طلباء 511 میں سے مسلمان طلبا صرف تین سو تر تالیس تھے۔ظاہر ہے کہ اساتذہ میں بھی غیر مسلم بہت ہونگے۔(1945ء میٹرک کی تیاری کے لیے مسلم ہائی سکول پٹیالہ میں ایک ہندو استاد رکھے گئے تھے)

قاضی محمد سلیمانؒ منصور پوری کے سوانح حیات کے مطابق وہ اکثر انجمن اسلامیہ امرتسر اور انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسہ میں بطور مقرر مدعو کیے جاتے رہے۔تحقیق کرنے پر دریافت ہو گیا کہ قاضی صاحب کی تقریر جو اب ''سید البشرؐ'' کے عنوان سے پیش ہے، مورخہ 25 تا 29 نومبر 1927ء کو ہوئی تھی۔

(بقیہ پس منظر صفحہ نمبر 53 پر ملاحظہ فرمائیں)

عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ہ ط

عنقریب تیرا رب تجھے مقام محمود (شفاعت) پر مبعوث فرمائیگا

سیرۃ النبّی صلے اللہ علیہ والہ وسلم پر

مضامین سلمان (حصہ اول)

المعروف بہ

سیّد البشر صلی اللہ علیہ وسلم

از قلم

علامہ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری مصنّف رحمتہ للعالمین

ناشر و مرتب

قاضی ابوالفضل حبیب الرحمٰن الطّارق

ڈیرہ غازی خان، جی بلاک مکان نمبر ۹۵

نَحمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

دیباچہ

اَمَّا بَعْد مضامین سلمانؒ کا مجموعہ حِصّہ اول ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔ مدت تک راقم الحروف کی آرزو رہی کہ قاضی صاحب مرحوم کے باقیات الصّالحات کے شائع کرنے کا شرف حاصل کر سکے ....

....

.... تاکہ مصنف کی دماغی کاوشوں کا نیک ثمرہ یوم الحصاد کو اُس کے کام آسکے۔ اور افرادِ امّت مرحومہ اس چشمہ فیض سے اپنی تشنگی علم ودین سے اپنی سیری حاصل کر سکیں۔

الراقم الآثم

قاضی ابوالفضل حبیب الرحمٰن

الطارق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم

قاضی صاحبؒ کی یہ تقریر ایم، اے او ہائی سکول امرتسر میں بالاقساط چار روز میں ختم ہوئی تھی لہذا ہم نے ہر روز کی تقریر کے شروع میں ہندسہ شمار اور لائن لگا دی ہے۔

۱

حاضرینِ جلسہ! آج ہم لوگ دنیا کے اُن چند عظیم الشان انسانوں میں سے ایک انسان صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ سننے کیلئے یہاں جمع ہوئے ہیں جو انگلیوں پر شمار کیے جاسکتے ہیں۔ اور ہم لوگ یعنی مسلمان اگر اپنے عقیدوں کی وجہ سے اُسے دنیا کا سب سے بڑا انسان تسلیم کرتے ہیں تو غیر مسلم مثلاً ''جامع العلوم انگریزی'' (انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا) کا لکھنے والا بھی اُس برگزیدہ ہستی کو'' دنیا کی کامیاب ترین مذہبی ہستی'' کے لقب سے یاد کرنے پر مجبور ہے۔ دوسری بات جو ایک طالب حق کیلئے دلچسپی کا باعث ہوسکتی ہے یہ ہے کہ اس مقدس اور بے نظیر انسان کی ساری زندگی از اول تا آخر خالص تاریخی زندگی ہے۔ کہیں قیاس یا روایت یا خوش اعتقادی یا شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ دنیا کے بعض بڑے آدمیوں کے حالات چھپے ہوئے ہیں اور بعض کے متعلق تو یہ شک ہے کہ وہ ہوئے بھی ہیں یا نہیں۔ لیکن آپؐ کی زندگی کا ہر صفحہ روزِ روشن کی طرح چمکدار ہے۔ زندگی کے واقعات ایک طرف، آپ کے اقوال، عادات، حرکات، مزاج اور خیالات غرض چھوٹی چھوٹی باتیں تک موجود ہیں۔ ایک انگریز مصنف کا قول ہے کہ ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ مذہبی شخصیت ہیں جن کے متعلق کوئی شبہ نہیں ہوسکتا''۔ اس مختصر تمہید کے بعد اب میں مطلب پر آتا ہوں۔

ایشیاء کے جنوب مغرب میں ایک جزیرہ نما عرب کے نام سے مشہور ہے۔ جو سراسر خشک ریگستان ہے۔ لیکن اس کے ساحل پر اور مغرب میں کچھ آبادی پائی جاتی ہے اور اس آبادخطہ کا نام حجاز ہے۔ اس علاقہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام

نے مل کر ایک پہاڑ کی وادی میں اللہ واحد کی عبادت کیلئے ایک گھر بنایا تھا اور حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ یا اللہ! تو اس مقام کو برکت عطا کر، آباد کر اور دشمنوں سے محفوظ رکھ۔ خدا تعالیٰ نے اس بزرگ نبیؑ کی دعا قبول کی۔ رفتہ رفتہ یہاں آبادی ہوگئی اور بکہ سے مکہ، اس جگہ کا نام پڑ گیا۔ بہت مدت کے بعد عرب کے لوگ ایک اللہ کی پرستش چھوڑ کر سینکڑوں خداؤں کی پوجا کرنے لگے اور حرمِ مکہ میں قمری سال کے ہر دن کیلئے نیا بت یعنی پورے تین سو ساٹھ بُت قائم کر دیئے۔ لیکن خانہ کعبہ یعنی حضرت ابراہیمؑ کے بنائے ہوئے خدا کے گھر کی عظمت بدستور قائم تھی۔ ہر سال لوگ دور دور سے زیارت کیلئے آیا کرتے تھے اور اس تاریخی مقدس مکان کی نگرانی عربوں کے سب سے اعلیٰ قبیلہ قریش کے سپرد تھی۔

جس زمانہ کا ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں یعنی ۵۷۰ء میں، خانہ کعبہ کی کُنجیاں اور شہر کی سرداری آنحضرت ﷺ کے دادا عبدالمطلب کے ہاتھ میں تھی۔ اسی سال یمن کے حاکم ابرہہ نے جو حبش کے بادشاہ کا وائسرائے تھا، مکہ پر بہت سے ہاتھیوں کے ساتھ حملہ کیا۔ جب یہ خبر مکہ والوں کو پہنچی تو بہت گھبرائے اور بہت سے آدمی دوڑے ہوئے عبدالمطلب کے پاس آئے اور کہنے لگے "عبدالمطلب! اگر چہ ہماری قوم نے پوری طاقت سے دشمن کو روکا لیکن کچھ بنائے نہ بنی۔ اب دشمن کل صبح تک شہر پر حملہ کر دے گا اور جیسا کہ سُنا گیا ہے کعبہ کو ڈھا دیا جائے گا۔ اب ہم لوگ کیا کریں؟

عبدالمطلب نے کہا۔ مناسب ہے کہ تم لوگ پہاڑوں میں پوشیدہ ہو جاؤ۔ کیا فائدہ کہ ہم سب یونہی ہاتھیوں کے پاؤں تلے روندے جائیں۔ صبح ہونے سے پہلے خود عبدالمطلب اپنے خاندان سمیت کعبہ کے دروازے پر آئے اور کہنے لگے "اے خدائے برتر! میں اب تیرے گھر کی حفاظت کے ناقابل ہوں پس تو خود اپنے گھر کی حفاظت کر! اور دشمنوں سے اس مقام کو محفوظ رکھ"۔ خدا کی شان! دوسرے ہی دن دشمن کی فوج میں ایسے زور کی وبا پھوٹ نکلی کہ لینے کے دینے پڑ گئے۔ مجبوراً دشمن واپس ہوا۔ راستہ میں وہ تکلیف اٹھائی کہ ایک بھی زندہ نہ بچا۔ عبدالمطلب معہ اپنے دوستوں کے خوشی خوشی شہر میں واپس آئے اور اس واقعہ کو ہر شخص نے آسمانی مدد کہا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ایک سورت کے اندر اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔اس سورت کا شروع یوں ہے:(105)" الم تر کیف فعل ربك باصحب الفیل " یعنی کیا نہیں دیکھا تو نے کہ تیرے رب نے اُن لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جو ہاتھیوں کا لشکر لے کر کعبہ کو ڈھانے کی نیت سے آئے تھے۔

اس واقعہ کے بعد حضرت عبدالمطلب کی عزت اور شہرت کو چار چاند لگ گئے۔عرب لوگ اس سال کو" عام الفیل" ہاتھیوں کا سال کہتے ہیں۔اس واقعہ سے چند ماہ پیشتر عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کی شادی ایک شریف بی بی آمنہ سے کی تھی۔جو اسی خاندان سے تھیں۔شادی کے تین روز بعد عبداللہ اپنی بی بی آمنہ سے رخصت ہو کر تجارتی سفر پر چلے گئے اور واپسی پر مدینہ میں بیمار پڑ گئے۔وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔عبدالمطلب اور سارے خاندان کو تو جو رنج ہوا سو ہوا مگر بی بی آمنہ کی تو ساری اُمیدوں ہی کا خاتمہ ہو گیا۔عبداللہ نے جن کی عمر انتقال کے وقت صرف ۲۵ سال کی تھی۔پانچ اونٹ، کچھ بکریاں اور ایک خادمہ اپنی بی بی کیلئے چھوڑے۔یہ چیزیں ساتھ لے کر آمنہ بی بی عبدالمطلب کے گھر آ رہیں۔ اور ۵۷۰ء یعنی اُسی سال اُن کے بطن سے آنحضرتؐ پیدا ہوئے۔حضرت عبدالمطلب نے نوزائیدہ کو گود میں لیا اور اسی طرح خانہ کعبہ میں آئے۔اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور بچہ کا نام محمد ﷺ رکھا۔جس کے لفظی معنیٰ" تعریف کیا گیا" ہیں۔ عرب کے دستور کے موافق آپؐ کو دودھ پلانے کیلئے دوسری عورت رکھی گئی۔ پہلے چند روز تک ابولہب(آپؐ کے چچا) کی لونڈی نے دودھ پلایا۔بعدازاں قبیلہ بنی سعد کی چند عورتیں مکہ میں اسی غرض سے آئیں۔اور آپؐ کو ایک نیک عورت حلیمہ سعدیہ کے سپرد کیا گیا۔جس کے ساتھ آپؐ پانچ سال کی عمر تک رہے۔قاعدہ کے موافق دو سال کی عمر میں آپؐ کا دودھ بڑھایا گیا اور حلیمہ بی بی آپؐ کو مکہ واپس لائیں۔آپؐ کی والدہ آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور کہنے لگیں" میری خواہش ہے کہ تم میرے بیٹے کو واپس لے جاؤ۔کیونکہ دیہات کی آب و ہوا بہت صحت بخش ثابت ہوئی ہے۔چنانچہ دائی حلیمہ آپؐ کو پھر واپس لے گئیں۔اور تین سال کے بعد

آپؐ کو آپ کی والدہ کی خدمت میں واپس لائیں۔ چونکہ حلیمہ بی بی نے آپ کو دودھ پلایا تھا اس لئے تمام عمر آپؐ نے اپنی رضاعی ماں کو عزت کے ساتھ یاد رکھا۔ ایک دفعہ جب آپ کی شادی ہو چکی تھی حجاز میں بڑی قحط سالی رونما ہوئی۔ حلیمہ بی بی آپؐ کے پاس آئیں اور اپنی حاجت بیان کی۔ آپؐ نے کئی اونٹ اور چالیس بھیڑیں بی بی حلیمہ کو عطا فرمائیں، جنہیں لے کر وہ خوش خوش اپنے گھر واپس گئیں۔

جب آپؐ کی عمر چھ سال کی ہوئی تو بی بی آمنہ آپؐ کو ساتھ لے کر مدینہ تشریف لے گئیں تاکہ آپ ﷺ کی ننہیال کے لوگ آپؐ کو دیکھ کر خوش ہوں۔ سال بھر وہاں قیام رہا۔ اس کے بعد آپؐ اپنی ماں کے ساتھ مکہ واپس ہوئے لیکن راہ میں بی بی آمنہ کا انتقال ہو گیا اور سات سال کی عمر میں آپؐ کے سر سے ماں اور باپ دونوں کا سایہ ہمیشہ کیلئے اُٹھ گیا۔ اس کے اندر بڑی حکمت الٰہی پوشیدہ تھی۔ آپؐ کو آئندہ بڑا کام کرنا تھا اور یہ دکھانے کیلئے کہ ایک یتیم بچہ خدا کی مدد سے کیا کچھ کر سکتا ہے۔ اللہ نے بچپن ہی میں دونوں کو آپؐ سے جدا کر دیا۔ الغرض آپؐ کی کنیز اُم ایمن آپؐ کو بخیر و عافیت مکہ لے آئیں۔ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے اسی حالتِ یتیمی کا ذکر کیا ہے۔ جبکہ اس نے اپنی نعمتیں آپؐ کو گنائی ہیں۔ (93:6) ''الم یجدک یتیماً فاٰوی''۔ یعنی کیا اے محمد ﷺ! اُس خدا نے تجھے یتیم نہیں پایا، پھر تجھے فارغ البال کر دیا''۔

آپؐ کی پرورش کا بار لامحالہ عبدالمطلب کے کاندھوں پر آن پڑا۔ جن کی عمر اب پورے اسی سال کی تھی۔ آپؐ سے انہیں بڑی اُلفت تھی اور ہر وقت آپؐ کی دلجوئی کرتے رہتے۔ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ دوسرے سال عبدالمطلب بھی کوچ کر گئے اور مرتے وقت ابو طالب (آپؐ کے چچا) کو سرپرست بنا گئے جو حضرت علیؓ کے والد تھے۔ حضرت ابو طالب نے آپؐ کی پرورش ایسی اُلفت اور محبت کے ساتھ کی کہ شاید عبداللہ بھی اس سے زیادہ نہ کر سکتے۔ اپنے ساتھ کھانا کھلاتے تھے۔ ساتھ بٹھاتے تھے اور رات کو اپنے برابر سلاتے تھے۔ غرض ہر وقت

اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتے تھے۔ جب آپؐ کی عمر بارہ سال کی ہوئی تو ابو طالب کے ساتھ ملک شام کا سفر کیا۔ قریش لوگ عموماً ہر سال تجارت کی خاطر دور دراز ملکوں کا سفر کیا کرتے تھے۔ آپ کے والد عبداللہ بھی تجارتی سفر ہی پر گئے تھے۔ اب بارہ سال کی عمر میں پہلی دفعہ آپ کو وطن سے دور جانے کا اتفاق ہوا۔ جب آپ شام پہنچے تو ابو طالب کے ساتھ اکثر لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ ان لوگوں میں سے ایک عیسائی عالم دین بحیرہ نامی بھی تھا۔ جس نے آپؐ سے ملاقات کرنے کے بعد آپؐ کے چچا سے کہا، ''میرا خیال ہے کہ توریت اور انجیل میں جس نبی کی آمد کی پیشین گوئیاں مرقوم ہیں وہ اس ہونہار بچہ میں پوری ہوں گی۔ آپ اس کی ہر طرح سے حفاظت کریں۔ ممکن ہے کہ دشمنوں کے ہاتھ سے اسے کچھ تکلیف پہنچے۔ ابو طالب نے کہا، خواہ وہ خیال جو تم نے ظاہر کیا ہے پورا ہو یا نہ ہو، میں تو محمد ﷺ کو اپنے بیٹے سے بڑھ کر سمجھتا ہوں اور تمہاری ہمدردی کا شکر گزار رہوں''۔

چند ماہ کے بعد آپؐ مع الخیر شام سے واپس تشریف لائے۔ ۵۸۰ء سے ۵۹۰ء تک مکہ اور مدینہ کے مختلف قبیلوں میں خانہ جنگی ہوتی رہی اور چند بار آپؐ کے خاندان کے لوگوں نے بھی اس خانہ جنگی میں حصہ لیا۔ لہذا آپؐ کو بھی شریک ہونا پڑا۔ بیس سال کی عمر میں آپؐ اپنے چچاؤں کے ساتھ مجبوراً شریک جنگ ہوئے۔ لیکن قتل و غارت میں اپنے ہاتھ نہیں رنگے۔ آپؐ صرف یہ کرتے تھے کہ میدان جنگ میں جو تیر آ کر گرتے وہ جمع کر کے اپنے چچاؤں کو دے دیتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد صلح ہوگئی اور چند نیک مزاج لوگوں نے ایک انجمن قائم کی جس کا مقصد یہ تھا کہ اگر کوئی شخص یا جماعت کسی بے گناہ پر حملہ کرے تو اس کی مدد کی جائے۔ جس شخص نے سب سے پہلے اس انجمن میں شریک ہونے کا عہد کیا وہ آپؐ کی ذاتِ پاک تھی۔ اس انجمن میں زیادہ تر وہی لوگ شریک ہوئے جو بعد میں اسلام لائے۔

جوانی میں مثل مکہ کے اور لڑکوں کے آپؐ نے بھی بکریاں چرائیں اور جو کچھ اُجرت یا بدلہ ملتا تھا وہ آپؐ اپنے چچا اُبو طالب کو دے دیا کرتے تھے۔ جس قدر حالات آپؐ کی زندگی کے

ملتے ہیں سب اس بات پر پورے طور سے متفق ہیں کہ بچپن سے آپ کی طبیعت میں نیکوکاری، پاکیزگی اور حسن اخلاق یہ سب خوبیاں اس درجہ تک موجود تھیں کہ لوگ حیران رہ جاتے تھے۔ کبھی آپؐ کی زبان سے کوئی بری بات نہ نکلی۔ کسی کی دل آزاری نہ کی۔ ہر بری بات سے آپؐ کو طبعی طور پر نفرت تھی۔ اور یہ اُس زمانہ اور ملک میں اور ایسے لوگوں کے درمیان بودوباش کے باوجود جو دن رات برائیوں میں ڈوبے رہتے تھے۔ جس کا ذکر آگے چل کر آئے گا۔ آپ بچپن ہی میں بزرگوں کی طرح سنجیدہ اور متین تھے۔ زیادہ تر خاموش رہا کرتے۔ بلاضرورت بات نہ کرتے۔ ایمان داری اور اخلاقی حسن آپؐ میں اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اس زمانے کے لوگ حیرت سے آپؐ کو دیکھا کرتے تھے۔

اس شرافتِ ذاتی کا لامحالہ یہ نتیجہ ہونا تھا کہ تمام لوگ آپؐ کو ''الامین'' یعنی امانت دار شخص کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ یہ باتیں ہر ایک رہنما میں قریب قریب پائی گئی ہیں۔

جب آپؐ کی عمر ۲۵ سال کی ہوئی تو ایک دن ابوطالب نے آپؐ کو پاس بلا کر کہا'' بیٹا! تم جانتے ہو کہ میری آمدنی کم اور خرچ زیادہ ہے۔ پس اگر تم اس قافلہ کے ساتھ جو کل پرسوں روانہ ہوگا۔ ایک شریف خاتون خدیجہ بنتِ خویلد کا تجارتی سامان لے کر ملک شام کا سفر کرو تو بڑا اچھا ہوگا۔ خدیجہؓ نے مجھے کہلا کر بھیجا ہے کہ کوئی معتبر اور دیانت دار نوجوان مل سکے تو میں اپنا اسبابِ تجارت اس کے سپرد کرنا چاہتی ہوں۔ میری رائے میں تم سے زیادہ امانت دار آدمی اور کون ہوسکتا ہے؟ پس اس کام کو قبول کرلو۔ تاکہ فراغت نصیب ہو''۔ فوراً حضرت ابوطالب خدیجہؓ کے پاس گئے اور چار اونٹوں کے عوض ان کے کل اسباب کو شام بھجوانے کا وعدہ کر کے واپس آئے۔ دوسرے دن آپؐ قافلہ کے ساتھ ملک شام کو روانہ ہو گئے۔ خدیجہؓ نے ایک اپنا ملازم بھی آپؐ کے ساتھ کر دیا تھا۔ معمول کے راستوں سے ہوتے ہوئے منزلِ مقصود تک پہنچے۔ اور آپؐ نے بڑی دانائی کے ساتھ کام ختم کیا۔ چنانچہ پہلے سے زیادہ نفع حاصل ہوا۔ خدیجہؓ نے جن چیزوں کی خریداری کا حکم دیا تھا وہ بھی آپؐ نے تلاش کر کے سستے داموں خریدیں اور مع الخیر واپس

تشریف لائے۔ خدیجہؓ آپؐ کے عمدہ کام کرنے سے بہت خوش ہوئیں اور چند ماہ کے بعد آپؐ کے پاس شادی کا پیغام بھیجا۔ جسے آپؐ نے قبول فرمایا۔ چنانچہ تاریخ مقررہ پر آپؐ اپنے خاندان کے سمیت خدیجہؓ کے مکان پر تشریف لائے۔ ابوطالب نے نکاح پڑھایا۔ اور خدیجہؓ آپؐ کی بیوی بن کر تمام مسلمانوں کی ماں، ام المومنین قرار پائیں۔ شادی کے وقت ایک روایت کی رو سے آپؐ کی عمر ۲۵ سال اور خدیجہؓ کی عمر ۴۰ سال کی تھی۔ یہ شادی دونوں کیلئے بہت مبارک اور دلچسپ ثابت ہوئی، اور سوائے حضرت ابراہیم کے باقی سب اولادیں حضرت خدیجہؓ ہی کے بطن سے ہوئیں۔ آپؐ نے چالیس سال کی عمر تک اطمینان کے ساتھ تمام زندگی بسر کی اور تجارت کے کاروبار میں مشغول رہے۔

''ہمارے رسول ﷺ تجارت کیا کرتے تھے۔ اور ہم ہیں کہ تجارت کو برا سمجھ کر چھوڑ بیٹھے ہیں۔ جس سے ہماری حالت دن بدن بدتر ہوتی جارہی ہے۔ مفلس محتاج ہو رہے ہیں۔''

لیکن باوجود ان تعلقات کے آپؐ کی زندگی دوسروں سے الگ تھی۔ آپؐ نے کبھی شراب نوشی، قمار بازی، عیاشی، دروغ گوئی، دغابازی غرض کسی بری بات میں کبھی حصہ نہیں لیا۔ صرف چند اشخاص جو نیک مزاج اور بت پرستی کے خلاف تھے آپؐ کے دوستوں میں شمار ہو سکتے تھے۔

جب بھی دنیا کی ایسی حالت ہوتی ہے تو پیغمبر آتا ہے اور دنیا والوں کو اخلاق تعلیم دیتا ہے۔ ظلم کو مٹاتا ہے۔ محبت کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے۔ رام چندر، سری کرشن، حضرت زرتشت، حضرت عیسیٰؑ وغیرہ کی زندگی پر نظر ڈالئے تو آپ کو اس بات کی سچائی معلوم ہو جائے گی۔

لوگوں کی گری ہوئی حالت کا نقشہ جیسا مولانا حالی نے اپنی مشہور مسدس میں کھینچا ہے اس سے بہتر بیان کرنا میرے لئے دشوار ہے۔ کوئی برائی ایسی نہ تھی جو اُس وقت عربوں میں موجود نہ تھی۔ زناکاری جو سب سے بڑا گناہ ہے، اُن لوگوں کے نزدیک فخر کی بات تھی۔ عورت مرد دونوں

ان باتوں کو فخریہ طور پر مجلس میں بیان کیا کرتے تھے۔ شراب پانی کی جگہ پیتے تھے۔ قمار بازی گویا شغلِ زندگی تھا۔ بات بات پر آپس میں لڑتے اور ایک دوسرے کا گلہ کاٹتے رہتے تھے۔ بیٹیوں کو زندہ زمین میں گاڑ دیتے تھے۔ رات دن چوری، ڈکیتی اور مکاری میں بسر کرتے تھے۔ خدا پرستی کی جگہ بتوں کا راج قائم تھا۔ زمین آسمان، ستاروں، فرشتوں اور بزرگوں کی ارواح غرض ہر چیز کو خدا کا نائب سمجھ کر پوجتے تھے۔ خود خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت موجود تھے۔ ان حالات کو دیکھ کر آپؐ نے چالیس سال کی عمر میں اعلان کیا کہ یہ ساری باتیں لغو اور فضول ہیں۔ سوائے ایک اللہ کے اور کوئی لائقِ پرستش نہیں۔ یقیناً یہ اعلان آپؐ کے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہونے کی ایک زبردست دلیل ہے۔ دیکھو! آپؐ کے چاروں طرف بت پرستی ہی کا چرچا تھا۔ لیکن آپؐ اس سے قطعاً متاثر نہ ہوئے۔ آپؐ کے چاروں طرف گناہ اور بدی کا دریا بہہ رہا تھا۔ لیکن آپؐ کا دامن تر نہ ہوا۔ بلکہ آپؐ نے اپنی قوم اور کل دنیا کو راہ راست پر لانے کا اٹل فیصلہ کر لیا۔ یقیناً کوئی انسان جب تک خدا تعالیٰ سے مدد نہ پائے یکہ و تنہا کل دنیا کی اصلاح کا ٹھیکہ نہیں لے سکتا۔ ملکی رسم و رواج اور تمام لوگوں کے خلاف وہی شخص آواز بلند کر سکتا ہے جس کے دل میں آسمانی نور جگمگا رہا ہو۔ آپؐ کی چالیس سالہ پاکیزہ زندگی جس پر کوئی داغ نہیں ہے اس امر کا ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی منشا کے موافق آپؐ نبوت کیلئے ابتدائی عمر ہی سے تیاری کر رہے تھے۔ بہر کیف اس عمر میں آپؐ کا شغل زندگی تجارت سے گوشہ نشینی ہو گیا۔ دنیاوی کاروبار چھوڑ کر مکہ معظّمہ سے تین میل دور غار حرا میں مہینوں قیام فرمانے لگے۔ کھانے پینے کا سامان ختم ہو جاتا تو واپس تشریف لاتے اور پھر چند روز کے بعد واپس تشریف لے جاتے۔ اور دن رات مراقبہ اور غور و فکر میں مشغول رہا کرتے۔ کچھ عرصہ کے بعد آپؐ سچے خواب دیکھنے لگے۔ اور یہ امر دیباچہ نبوت سمجھنا چاہیے۔ بعد ازاں ایک دن جبکہ معمول کے مطابق غار حرا میں عبادت کر رہے تھے اللہ تعالیٰ کا فرشتہ جبرائیلؑ آپؐ کے سامنے انسانی شکل میں ظاہر ہوا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان دیا: ”اقرا باسم ربك الذی خلق، خلق الانسان من علق “ (سورۃ العلق نمبر ۹۶)۔ پڑھ نام لے کر اپنے رب کا جس نے پیدا کیا۔ پیدا

کیا انسان کو خون کی پھٹکی سے'' وغیرہ

یہ واقعہ دیکھ کر آپؐ کچھ گھبرا سے گئے اور مکان پر واپس آ کر خدیجہؓ سے سارا واقعہ بیان کیا۔ اُنہوں نے آپؐ کو تسلی دی اور ساتھ لے کر اپنے رشتہ دار ورقہ بن نوفل کے پاس آئیں۔ جب اس بزرگ نے تمام واقعہ سنا تو کہنے لگے ''یا محمد! مبارک ہو! یہ وہی فرشتہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر اُترا تھا۔ آپؐ کو اللہ نے اپنی رحمت سے نوازا ہے اور دنیا کی ہدایت کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ یہ سُن کر آپؐ کو بہت تسکین ہوئی۔ اس کے بعد وقتاً فوقتاً وحی نازل ہوتی رہی۔ کبھی کبھی سلسلہ ٹوٹ بھی جاتا تھا اور یہ محض اس لئے کہ آپؐ نبوت کا بوجھ اُٹھانے کے عادی اور قابل ہو جائیں۔ جو کام ایک بارگی کسی کے سپرد کر دیا جائے اس میں مشکل ہوتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا کہ تم لوگوں کو اسلام کی طرف بلاؤ تو آپؐ نے پہلے پہل اس خوشخبری کے سنانے کیلئے اُن لوگوں کو چنا جو آپؐ کی بیرونی اور اندرونی زندگی سے واقف تھے اور ان کو آپؐ کی صحبت کی بنا پر آپؐ کے کیریکٹر کا صحیح علم تھا۔ سب سے پہلے آپؐ نے حضرت خدیجہؓ کو اسلام کی دعوت دی۔ وہ فوراً آپؐ پر ایمان لے آئیں۔ یہ مقدس خاتون پہلی مسلمان عورت ہیں۔ بعد ازاں حضرت ابوبکرؓ کے سامنے اپنا دعویٰ پیش کیا۔ وہ بھی ایمان لائے اور مردوں میں پہلے مومن قرار پائے۔ پھر زید جو آپؐ کے خاص غلام تھے، جماعت میں شامل ہوئے۔ بعد ازاں حضرت علیؓ جو آپؐ کے چچازاد بھائی تھے اور آپؐ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے تھے، ایمان لائے۔ لڑکوں میں سب سے پہلے آپ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ اسلام کی تصدیق کی۔ سبحان اللہ۔

۲

حضرت ابوبکرؓ کے ایمان لانے کا حال بیان ہو چکا۔ یہ بزرگ پیدائشی پاکباز اور نیک مزاج تھے۔ آپؐ کے خالص دوست اور اسلام کے سچے مددگار ثابت ہوئے۔ انہی کی کوشش اور تبلیغ سے حضرت عثمانؓ، زبیرؓ، عبدالرحمٰنؓ، سعد بن وقاصؓ اور طلحہؓ اسلام لائے۔ پھر ان کی کوششوں سے پوشیدہ طور پر اور لوگ بھی جماعت میں داخل ہوئے۔ چونکہ اسلام کی دعوت ابھی کھلم کھلا نہیں دی جاتی تھی۔ اس لئے سب لوگ گھروں یا جنگل میں نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ عام قاعدہ ہے کہ انبیاء کے ابتدائی پیرو غریب اور گمنام لوگ ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عیسیٰؑ کے شاگرد اولین بھی غریب دہقان اور ماہی گیر ہی تھے۔ لیکن جس قدر لوگ اس تین سال کے عرصے میں پوشیدہ طور پر مسلمان ہوئے وہ سب اپنے عقائد میں پختہ اور اسلام کے شیدائی تھے۔ کیونکہ سوائے سچائی کے اور کچھ بھی حضرت محمد رسول اللہؐ کے پاس نہ تھا۔ جو شخص اسلام قبول کرتا تھا وہ محض سچائی کی وجہ سے۔ ورنہ دنیاوی عزت کا حاصل ہونا تو ایک طرف لوگ اُسے ذلیل خیال کرتے تھے۔ اور مکہ کے لوگ اس کا مذاق اُڑاتے تھے۔ بہرحال تین سال تک آپ چپکے چپکے اسلام کی تبلیغ کرتے رہے۔ بعد ازاں اللہ کا حکم نازل ہوا کہ اب علانیہ تبلیغ کرو اور سب سے پہلے اپنے قبیلے کے لوگوں کو دعوت دو۔ حسب الحکم آپؐ ایک دن کوہ صفا پر جو مکہ کے پاس ایک پہاڑی ہے، چڑھ گئے اور قریش کے لوگوں کو پکارا۔ سب لوگ آپؐ کی آواز سن کر جمع ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر میں تم لوگوں سے یہ کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے دشمن کا لشکر موجود ہے تو تم یقین کرو گے؟ سب نے کہا ''اے محمد! ہم نے تجھے کبھی جھوٹ بولتے نہیں سنا، تو واقعی امین ہے، ہمیں تیری ہر بات پر یقین ہے''۔

تب آپؐ نے فرمایا! اگر تم میری بات پر بھروسہ کرتے ہو تو میں تم سب کو مطلع کرتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کا سچا رسول ہوں اور تمہیں اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ ورنہ یاد رکھو تم لوگوں پر اللہ کا سخت عذاب نازل ہوگا۔ یہ سُن کر تمام مجمع جس میں آپ کا چچا ابولہب بھی تھا، ناراض ہو کر چلا

گیا۔ دوسرے دن آپؐ اپنے پیروؤں کو ساتھ لے کر جن کی تعداد اب چالیس تک پہنچ چکی تھی، خانہ کعبہ میں داخل ہوئے اور توحید کا اعلان فرمایا۔ مخالفوں کے خیال میں یہ اعلان اُن کے مذہب کی ذلت تھی۔ لہذا فوراً ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اور آپؐ بہت مشکل سے اپنی جان بچا کر گھر واپس آئے۔ قریش کی مخالفت کا پہلا سبب یہ تھا کہ توحید کا عقیدہ اُن کے عقائد کے خلاف تھا۔ دوسرا یہ کہ اسلام لانے کے بعد دنیاوی عزت سے ہاتھ دھونا پڑتے تھے۔ تیسرا یہ کہ آپؐ مسلمانوں کو پاکیزہ زندگی بسر کرنے کی تاکید فرماتے تھے اور عرب کے لوگ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے گناہ کی زندگی کو پسند کرتے تھے۔ چوتھا یہ کہ اسلام بت پرستی کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ آپؐ علانیہ فرماتے تھے کہ بت پرستی سے اللہ ناراض ہو جاتا ہے۔ صرف اللہ کو پوجو۔ الغرض جب کچھ عرصہ آپؐ کو علانیہ طور پر بت پرستی کے خلاف وعظ و پند میں گزر گیا تو قریش نے خیال کیا کہ آپؐ کا یہ طرزِ عمل کوئی عارضی بات نہیں ہے لہذا اس کا روکنا ضروری ہے۔ پس چند معزز لوگ ایک وفد کی صورت میں ابو طالب کے پاس آئے اور آپؐ کی شکایت کی کہ تمہارا بھتیجا علانیہ ہمارے دیوتاؤں اور معبودوں کی برائی کرتا ہے اور ہمیں اور ہمارے بزرگوں کو غلط راستہ پر قرار دیتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہمارے مذہب کی رسموں کو حماقت اور جہالت بتاتا ہے۔ لہذا یا تو تم اسے اس فعل سے روک دو یا اس کا ساتھ چھوڑ دو۔ یا پھر تم بھی اعلانیہ طور پر ہماری مخالفت کا اعلان کر دو۔ حضرت ابو طالب نے دیکھا کہ اب معاملہ نازک صورت اختیار کر گیا ہے۔ لہذا آپؐ سے کہا۔ "اے میرے بیٹے! تیرے اس طرزِ عمل نے مجھ پر اتنا بوجھ ڈال دیا ہے کہ میں اُٹھا نہیں سکتا۔ بہتر ہو گا اگر تو اس حرکت سے باز آ جائے"۔ آپؐ نے آنکھوں میں آنسو بھر کر فرمایا "پیارے چچا! اگر قریش میرے دائیں ہاتھ میں سُورج اور بائیں ہاتھ میں چاند لا کر رکھ دیں اور کہیں کہ توحید کی تبلیغ چھوڑ دے تو اللہ کی قسم اس وقت بھی میں اپنے ارادے سے باز نہیں آؤں گا۔ یا تو اللہ تعالیٰ میرے کام کو تکمیل تک پہنچا دے گا یا اس خواہش میں میں اپنی جان اپنے مقصد پر نثار کر دوں گا۔ بہر حال میں اس کام سے رک نہیں سکتا۔ کیونکہ اللہ کا حکم نازل ہو چکا ہے اور میں اس کے حکم سے منہ نہیں پھیر سکتا۔

دُنیا کی کوئی قوت مجھے تبلیغ اسلام سے باز نہیں رکھ سکتی''۔

یہ اثر کرنے والی تقریر سن کر ابو طالب نے آپؐ سے کہا ''اچھا! اگر یہ بات ہے تو شوق سے اپنا کام کرو۔ کوئی شخص میرے ہوتے ہوئے تمہاری طرف آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتا''۔

خیر! آپؐ بدستور تبلیغ میں مشغول رہے اور چونکہ ابو طالب کی وجہ سے قریش آپؐ کو قتل نہیں کر سکتے تھے اس لئے طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانا شروع کیں۔ آپؐ کے راستہ میں کانٹے بچھا دئے جاتے تھے۔ سرِ راہ گالیاں دی جاتی تھیں۔ نماز کی حالت میں گندگی آپؐ کے اوپر ڈالی جاتی تھی۔ لیکن آپؐ نے صبر و استقلال کا وہ بے نظیر منظر پیش کیا کہ بڑے بڑے قریش سردار حیران رہ گئے۔ وہ یہ خیال کرنے پر مجبور ہوئے کہ ضرور کوئی دنیاوی مقصد آپؐ کے رو برو ہے۔ لہذا اُنہوں نے عتبہ بن ربیعہ کو آپؐ کے پاس بھیجا۔ اس شخص نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی ''اے محمد ﷺ! تم جانتے ہو کہ تمام قریش تمہارے اس طرزِ عمل سے سخت نالاں ہیں۔ تم نے وہ کام کرنا شروع کیا ہے جو تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا۔ لیکن اس پر بھی ہم تمہاری دلجوئی کرتے ہیں کہ اگر تم نے یہ ہنگامہ اس لئے برپا کیا ہے کہ مکہ کی سرداری مل جائے تو تمام لوگ تمہیں اپنا سردار تسلیم کرنے کیلئے تیار ہیں اور اگر کسی بڑے خاندان میں شادی کی خواہش ہے تو اس کا بھی انتظام ہو سکتا ہے اور اگر دولت کی طلب رکھتے ہو تو وہ بھی مہیا ہو سکتی ہے۔ بلکہ تینوں باتیں یکجا طور پر بھی حاصل ہو سکتی ہیں۔ لیکن اپنے موجودہ پروگرام کو ترک کر دو اور ہمارے معبودوں کی مذمت کرنے سے باز آ جاؤ''۔

اس تجویز کے جواب میں آپؐ نے چند آیتیں عتبہ کو سنائیں۔

''قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰی اِلَیَّ اَنَّمَا اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِیْمُوْا اِلَیْہِ وَاسْتَغْفِرُوْہُ''۔

(حم سجدہ 41:6)

یعنی اے محمد ﷺ! ان لوگوں سے کہہ کہ میں ایک انسان ہوں تمہاری طرح۔ میری طرف وحی آئی ہے کہ تمہارا سب لوگوں کا معبود صرف ایک ہے۔ پس اس کی طرف رُخ کرو اور اسی سے معافی مانگو''

عتبہ کے دل پر ان آیتوں کا بہت اثر ہوا اور واپس جا کر قریش سے کہا۔ ’’محمد وہ نہیں ہے جو ہم تم سمجھتے ہیں۔ اس کا کلام عجب ہے۔ شاعری نہیں ہے۔ بہتر ہوگا اگر اُسے یوں ہی رہنے دیا جائے۔ اگر اُنہیں کامیابی ہوئی تو تمہاری عزت ہے اور اگر وہ جھوٹے یا دغا باز نکلے تو خود تباہ ہو جائیں گے۔ لیکن قریش نے عتبہ کی بات نہ سنی اور برابر مخالفت، ایذا رسانی، بدزبانی اور ذلت رسانی کرتے رہے۔

ایک دن ابو جہل (آپؐ کے چچا) نے آپؐ کے ساتھ بہت ہی سختی اور بدزبانی کی۔ حضرت حمزہؓ (آپ کے حقیقی چچا) کی کنیز نے اپنی آنکھوں سے وہ بے رحمی کا منظر دیکھا اور اُس نے آنحضرتؐ کی شرافت، بُردباری اور بے کسی کا ماجرا دیکھ کر بہت ترس کھایا۔ چنانچہ شام کو جب حضرت حمزہؓ حسب معمول سیر و شکار سے واپس آئے تو اس کنیز نے تمام واقعات کچھ ایسے درد بھرے لہجہ میں سُنائے کہ حضرت حمزہؓ بے تاب ہو گئے۔ کنیز نے کہا کہ آپؓ کی بہادری اور طاقت کا شہرہ تمام حجاز میں پھیلا ہوا ہے لیکن یہ کیسا غضب ہے کہ جو اُٹھتا ہے وہ یوں آپؓ کے بے گناہ بھتیجے کو جو چاہتا ہے کہہ لیتا ہے۔ آپؓ نے فوراً ابو جہل سے جا کر کہا ’’خبردار! محمد ﷺ کو کچھ نہ کہنا۔ میں بھی آج سے مسلمان ہوں‘‘۔ یہ سن کر لوگ حیران رہ گئے کہ محمد ﷺ نے حمزہؓ پر بھی جادو کر دیا۔ حضرت حمزہؓ نے اس وقت اعلان کر دیا لیکن گھر آ کر دل میں سوچا کیونکر باپ دادا کا مذہب چھوڑ سکتا ہوں؟ رات بھر اسی ادھیڑ بن میں رہے لیکن صبح کے وقت انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ کچھ بھی ہو اب اسلام سے انکار نہ کروں گا۔ حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے سے آپؐ کو بڑی خوشی ہوئی۔ کیونکہ ایک تو آپؐ کے حقیقی چچا، دوسرے نامور سردار قریش، تیسرے آپؐ سے بے حد محبت کرنے والے۔ چوتھے اسلام کا جوش رکھنے والے۔ اس واقعہ کے چند روز بعد حضرت عمرؓ بھی اسلام کے دائرہ میں داخل ہو گئے۔

ان کے مسلمان ہونے کا قصہ یوں ہے کہ جب ان کے خاندان کے افراد مثلاً بہن بہنوئی اسلام میں داخل ہوئے تو انہیں آپؐ کے ساتھ سخت دشمنی ہوگئی اور یہ سوچا کہ لاؤ اس تحریک

کے بانی کا خاتمہ کردوں تاکہ روز روز کا جھگڑا مٹ جائے۔تلوار ہاتھ میں لئے حضور ﷺ کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں ایک معزز اور شریف مسلمان سے ملاقات ہوئی۔انھوں نے پوچھا ''اے عمر! خیر ہے اس قدر گھبرائے ہوئے کدھر جارہے ہو؟'' عمرؓ بولے'' کچھ نہیں، محمد ﷺ کو قتل کرنے جارہا ہوں۔اُس نے ایک نیا مذہب چلایا ہے اور تمام لوگوں کو گمراہ کررہا ہے۔مناسب ہے کہ اس فتنہ کو جلد فرو کردوں''۔اُنھوں نے کہا'' پہلے اپنے گھر کی خبر تو لو۔تمہارے بہنوئی اور بہن دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔عمرؓ یہ سنتے ہی پلٹے اور بہن فاطمہؓ کے گھر پہنچے۔میاں بیوی دونوں قرآن شریف پڑھ رہے تھے اُن کو جو آتے دیکھا تو قرآن شریف کے اجزا چھپادیے۔اور خاموش ہوگئے۔عمرؓ نے پوچھا'' فاطمہ! تم کیا پڑھ رہی تھیں؟'' وہ بولیں'' کچھ نہیں''۔عمرؓ نے کہا، تم دونوں مسلمان ہوگئے ہو؟ سعیدؓ بن زید نے کہا'' بے شک لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ''۔یہ سن کر عمرؓ بہنوئی کو مارنے لگے۔بہن نے چاہا کہ بیچ بچاؤ کرادیں۔عمرؓ نے انہیں بھی مارا اور چونکہ وہ عورت ذات تھیں جسم لہولہان ہوگیا۔عمرؓ سے کہنے لگیں'' بھائی چاہے جان سے مار ڈالو لیکن اسلام دل سے نہیں نکل سکتا''۔یہی الفاظ حضرت سعیدؓ نے بھی دھرائے۔عمرؓ کے دل پر اس استقلال اور ثابت قدمی کا اثر ہوا، اور ہونا چاہئے تھا۔آخر بچہ تو نہ تھے۔سوچا ہوگا کہ آخر اسلام میں کوئی تو خوبی ضرور ہوگی جو یہ لوگ جان کی پروا نہیں کرتے۔بہن سے کہنے لگے'' لاؤ مجھے دکھاؤ تم کیا پڑھ رہی تھیں''۔فاطمہؓ نے اجزائے قرآن سامنے رکھ دیئے۔سَبَّحَ لِلّٰهِ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (حدید 57:1)۔یہ سورہ نئی نئی نازل ہوئی تھی، (ترجمہ: یعنی تسبیح پڑھتا ہے اللہ کی جو کچھ ہے بیچ زمین اور آسمان کے اور وہ (اللہ) بڑی حکمت والا ہے۔صرف اس آیت کے پڑھنے سے دل کی حالت دوسری ہوگئی۔جب اس مقام پر پہنچے کہ'' یعنی: اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ'' تو بے اختیار پکار اُٹھے کہ واقعی محمد خدا کے پیغمبر ہیں۔اسی حالت جذب وشوق میں سیدھے بہن کے گھر سے اُٹھے اور آپؐ کے پاس پہنچے، جو اُس وقت ارقمؓ کے مکان میں تھے۔دروازہ پر پہنچ کر آواز دی۔تلوار ہاتھ میں تھی اس لئے آپؐ کے جاں نثاروں کو تردّد ہوا کہ دروازہ کھولیں یا نہ۔

لیکن حضرت حمزہؓ نے فرمایا ''دروازہ کھول دو اور عمر کو اندر آنے دو اگر دوستانہ طریقے سے ملنے آیا ہے تو دوسری بات ہے ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر اُڑا دوں گا''۔ اس پر آپؐ خود دروازہ کھولنے گئے اور جب عمرؓ نے قدم اندر رکھا تو آپؐ نے فرمایا ''کیوں عمر! کس ارادے سے آیا ہے؟ اللہ اکبر، سرور کائنات کی اس آواز میں جو نبوت کے شاہانہ جلال سے لبریز تھی، وہ تاثیر اور دبدبہ تھا کہ عمرؓ جیسا جری انسان جو آپؐ جیسے نبی کو قتل کرنے کے ارادہ سے چلا تھا نہایت انکساری سے بولا ''حضور میں آپ پر ایمان لانے کے لیے حاضر ہوا ہوں''۔ آپؐ نے جب یہ دل خوش کرنے والی بات سنی تو خوشی کے مارے بے اختیار اللہ اکبر پکار اُٹھے۔ آپؐ کی تقلید کرتے ہوئے تمام صحابہ نے ایسے زور سے نعرے بلند کیے کہ آس پاس کی پہاڑیاں گونج اُٹھیں۔ حضرت عمرؓ کے مسلمان ہو جانے سے اسلام کی شوکت دوبالا ہوگئی۔ آپ نے عمرؓ کو سینہ سے لگا لیا اور فوراً کلمہ شہادت پڑھایا۔ " اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَه‘ لَا شَرِيْكَ لَه‘ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُه‘ وَرَسُوْلُــه‘ " جس کا ترجمہ ہے ''میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے اللہ کے اور کوئی خدا نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں''۔ یہی وہ فرمانِ ربّ ہے جس کے حاصل کرنے سے ہر شخص مسلمان بن سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کی خبر عام ہوئی تو قریش میں تہلکہ مچ گیا۔ سینکڑوں لوگ اُن کے گرد ہو گئے اور بُت پرستی کی فرضی خوبیاں دہرائیں۔ شرک کے خیالی فائدے گنائے۔ بعض نے طعنہ دیا کہ بھائی! یہ کیا غضب کیا، تم تو اس جادوگر کو قتل کرنے گئے تھے، خود اُس کے غلام ہو گئے۔ لیکن عمرؓ کی تقدیر میں تو فاروق اعظم اور آپؐ کا خلیفہ بننا لکھا تھا۔ وہ کس طرح آپؐ کی غلامی سے باہر نکل سکتے تھے۔ اور ایک عمرؓ پر کیا موقوف ہے معمولی سے معمولی آدمی خواہ عورت یا مرد، جس نے ایک دفعہ کلمہ شہادت ادا کر دیا وہ موت کے دروازہ تک ایمان پر قائم رہا۔ یہی تو وہ بات ہے جس نے اچھے اچھے اعتراض کرنے والوں کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ یہی تو وہ بات ہے جو اسلام کی سچائی کی دلیل ہے۔ یہ بات ہر سچے پیر میں ہوتی ہے۔ انجیل میں دیکھو تو معلوم ہوگا کہ جو شخص حضرت عیسیٰؑ پر نظر ڈال لیتا تھا وہ آپؐ کے ساتھ ہو جاتا تھا۔ اسلام تو کیا دنیا

میں کوئی مذہب تلوار سے نہیں پھیلا۔ ان کو یہ سوچنا چاہیے کہ وہ تلوار چلانے والے کس طرح مسلمان ہوئے۔ حضرت بلالؓ کو دیکھو یہ بیچارے ایک مکّی کے غلام تھے۔ جب اسلام لائے تو اُن کے آقا نے وہ وہ سختیاں اُن پر روا رکھیں کہ اللہ کی پناہ۔ دوپہر کے وقت جلتی ریت پر پیٹ کے بل لٹاتا تھا اوپر سے پتھر رکھتا تھا اور کہتا تھا کہ محمد ﷺ کا انکار کرو۔ لیکن بلالؓ کو جس وقت ہوش آتا تھا تو احد احد، یعنی خدا ایک ہے منہ سے نکلتا تھا۔ قریش نے مسلمانوں کو اس بری طرح ستایا کہ اس سے بدتر مثالیں جور و ستم کی شاید کہیں نہیں ملیں گی۔ لیکن لطف یہ ہے کہ مسلمانوں نے جس استقلال اور ثابت قدمی سے اُن کو برداشت کیا اس کی مثال بھی شاید کہیں اور نہ ملے گی۔ حضرت ابوبکرؓ کے بے شمار فضائل میں سے ایک ادنیٰ فضیلت یہ ہے کہ آپؓ نے بڑی بڑی قیمتوں پر مسلمان غلاموں کو خرید کر آزاد فرمایا۔ تا کہ قریش کے ظلم سے چھوٹ جائیں۔ ایک عیسائی مصنف نے کیا اچھا لکھا ہے:

''محمد ﷺ پر اعتراض کرنے والے عیسائی اگر اس بات کو یاد رکھیں تو بہت اچھا ہو کہ جس شخص کو وہ (نعوذ باللہ) جھوٹا اور دغا باز کہتے ہیں اس نے اپنے شاگردوں کے اندر ایمان داری، وفاداری اور ثابت قدمی کا وہ رنگ پیدا کر دیا تھا جس کی نظیر عیسےؑ کے ابتدائی شاگردوں میں نہیں مل سکتی۔ بلکہ اُنہوں نے تو خطرہ کے وقت اپنے خداوند مسیح کو دشمنوں کے ہاتھ میں تنہا چھوڑ کر اپنی اپنی جان بچائی۔ اور محمد ﷺ کے پیروؤں نے بارہا اپنی جانیں آپؐ پر نثار کر دیں اور آپؐ کے دشمنوں کو زیر کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ کو دیکھئے کہ ایسے وقت میں وہ مکہ سے مدینہ رسول اللہؐ کے ساتھ گئے جبکہ سارا زمانہ اُن کا دشمن ہو رہا تھا۔ حضرت علیؓ کے ایثار پر نظر ڈالئے کہ ان کے بستر پر لیٹ رہے۔ جبکہ دشمن گھر کے چاروں طرف گِدھوں کی طرح منڈلا رہا تھا''۔ یہ بات اپالوجی فار محمد ﷺ مولفہ گاڈفری ہگنس مطبوعہ بریلی میں موجود ہے:

جب آپؐ نے دیکھا کہ قریش کا ظلم و ستم حد سے گزر چکا ہے۔ تو ۵ھ نبوی میں آپؐ نے جاں نثاران اسلام کو ملک حبش کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ پہلے گیارہ مرد اور چار

عورتیں روانہ ہوئیں۔ اور نجاشی بادشاہ حبشہ کے عدل وانصاف کی وجہ سے آرام کے ساتھ رہنے لگے۔ قریش کو یہ معلوم کر کے بہت غصہ آیا اور انھوں نے اپنے سفیر دربارِ حبش میں بھیجے تا کہ ان لوگوں کو ملک سے نکال دیا جائے۔ نجاشی نے مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا اور کہا تم لوگ کس دین کے پیرو کار ہو؟ حضرت علیؓ کے بڑے بھائی حضرت جعفرؓ نے اُس کے جواب میں یہ تقریر فرمائی:

''اے بادشاہ! ہم مسلمان ہیں، اسلام ہمارا دین ہے۔ اسلام سے پہلے ہم لوگ طرح طرح کی برائیوں اور ناپاکیوں میں گرفتار تھے۔ کوئی برائی ایسی نہ تھی جو ہمارے درمیان موجود نہ ہو بلکہ ہم لوگ بدکاری اور بدمعاشی پر فخر کرتے تھے۔ مثلاً زناکاری جس کو تمام لوگ عیب سمجھتے ہیں اور چھپاتے ہیں۔ لیکن ہماری قوم کی عورتیں اور مرد دونوں اس بات کو فخریہ طور پر نظم ونثر میں بیان کرتے تھے اور بت پرست اب بھی کرتے ہیں۔ دغابازی، مکاری، فریب دہی، ظلم وستم، جور وجفا غرض وہ کونسی بدی ہے جو ہم میں نہ تھی۔ خیر۔۔۔۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ہماری قوم میں سے ایک شخص کھڑا ہوا۔ جس کی پاکیزہ زندگی، شرافت ذاتی اور شرافتِ نسبی، ایمان داری، دیانت اور راست بازی کے سب لوگ یعنی دوست اور دشمن دونوں قائل ہیں۔ اس برگزیدہ شخص نے اسلام کا وعظ شروع کیا۔ اور ہمیں سمجھایا کہ بت پرستی سے باز آئیں، راستی اختیار کریں، بیواؤں اور یتیموں پر رحم کریں کسی کو ناحق نہ ستائیں، زنا اور بدکاری کے قریب نہ جائیں۔ سوائے ایک اللہ کے اور کسی کے آگے سر نہ جھکائیں۔ اس کے احکام پر چلیں، یعنی نماز پڑھیں، روزے رکھیں، زکوٰۃ دیں۔ چنانچہ ہم لوگ تمام برائیوں سے توبہ کر کے اس کے پیچھے ہوئے اور اسے اپنا ہادی اور پیشوا تسلیم کر لیا۔ چونکہ اب ہم اپنی قوم کے طریقوں پر نہیں چلتے لہٰذا قوم ہماری دشمن ہوگئی ہے اور چاہتی ہے کہ ہم لوگ پھر اسی غار میں گر پڑیں جس کے اندر سے محمد ﷺ نے ہمیں نکالا ہے۔''

پھر نجاشی کے حکم سے انھوں نے سورہ مریم کی چند آیات پڑھ کر سنائیں۔ نجاشی نے سن کر کہا ''بے شک قرآن اور انجیل دونوں ایک ہی الٰہی نور سے منور ہیں۔'' قریش کے سفیروں سے کہا تم لوگ چلے جاؤ۔ میں ان لوگوں کو واپس نہیں دوں گا۔ رفتہ رفتہ قریباً سو مسلمان حبشہ میں آ بسے۔

لیکن جب قریش نے یہ دیکھا تو اُن کی مخالفت کی آگ اور تیز ہوگئی۔ چنانچہ انھوں نے آپس میں یہ قول وقرار کیا'' کہ کوئی شخص محمدﷺ کے خاندان سے قرابت نہ کرے۔ لین دین نہ کرے۔ سلام کلام نہ کرے، آمدورفت نہ رکھے، میل جول نہ کرے، کوئی کھانے پینے کی چیز اُن کے ہاتھ فروخت نہ کرے۔ غرض مکمل طور پر بنی ہاشم کا بائیکاٹ کردیا جائے۔ اور جب تک ابوطالب اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے نہ کریں اسی پرکار بند رہیں گے۔ ابوطالب مجبور ہوکر معہ خاندان کے مکہ کے قریب ایک پہاڑ کے درے میں پناہ گزین ہوئے اور تین سال تک وہ وہ سختیاں برداشت کیں کہ بیان کرنے سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور دل کانپنے لگتا ہے۔ مہینوں جھاڑیاں اور ببول کے پتے کھاکر گزارہ کرتے رہے۔ آخرکار قریش کے بعض رحم دل لوگوں کو چھوٹے بچوں کی گریہ وزاری پر رحم آیا اور انھوں نے اس اقرارنامے کو ضائع کروایا۔ یہ واقعہ ۱۰ نبوی کا ہے۔

اسی زمانے میں آپؐ کو معراج نصیب ہوئی۔ یعنی آپؐ نے آسمانوں کے اوپر تشریف لے جاکر تمام عالمِ روحانی کی سیر کی۔ اور اللہ تعالیٰ سے گفتگو کی۔ اسی ملاقات میں پانچ وقت کی نماز فرض ہوئی۔ جب معاہدہ فسخ ہوا تو بنی ہاشم اس درے سے باہر نکلے لیکن چندروز کے بعد حضرت ابو طالب کا انتقال ہوگیا۔ آپؐ کو اُن کی وفات کا بہت صدمہ ہوا کیونکہ ابوطالب آپؐ کو علیؓ سے زیادہ پیار کرتے تھے۔ یہ غم ابھی تازہ ہی تھا کہ حضرت خدیجہؓ نے چندروز کی علالت کے بعد وفات پائی۔ یکے بعد دیگرے آپؐ کے دو ہمدرد اور مخلص دوست دنیا سے اٹھ گئے۔ قدرتی طور پر آپؐ کو رنج ہوا اسی لئے آنحضرتؐ اس سال کو عام الحزن یعنی غم کا سال فرمایا کرتے تھے۔ ابوطالب کی وفات کے بعد قریش نے ظلم وستم کی کتاب میں نئے باب کا اضافہ کردیا۔ لیکن حضورﷺ اور صحابہ کرام حسبِ معمول تمام تکالیف کو خاموشی کے ساتھ برداشت کرتے تھے۔

حضرت عیسیٰؑ کی زندگی پر نظر ڈالئے کہ اُن کو قوم نے کیا کیا تکلیفیں دیں۔ لیکن انھوں نے اپنا قدم ذرا بھی پیچھے نہیں رکھا۔ سری رام چندر کو کیسی کیسی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن وہ کبھی اپنے کریکٹر سے الگ نہ ہوئے۔ یہی باتیں ہیں جن کی وجہ سے ہم کو کہنا پڑتا ہے کہ وہ خدا کے برگزیدہ بندے تھے۔

﴿ ۳ ﴾

مکہ والوں کی طرف سے ناامید ہو کر آنحضرتؐ نے ارادہ کیا کہ طائف جو مکہ کے قریب ہی تھا جا کر وہاں اسلام کی تبلیغ کریں۔ شاید وہاں کے لوگ صداقت کو قبول کر لیں۔ پس آپؐ زیدؓ ابن حارث کے ساتھ وہاں پہنچے۔ لیکن وہاں کے رئیسوں نے آپؐ کے ساتھ قریش سے بھی بدتر سلوک کیا۔ لہذا دوسرے دن وہاں سے واپس آ گئے۔ ایک شریف آدمی مطعم کی حمایت میں مکہ پہنچے۔ اب آپؐ نے تبلیغ کی صورت یہ اختیار کی کہ مختلف مقامات پر جو بازار اور میلے لگتے تھے اُن میں جاتے اور اپنے فرائض رسالت بجالاتے۔ لیکن ابولہب آپؐ کے ساتھ ساتھ ہوتا اور ہر جگہ آپؐ کی برائیاں کرتا تاکہ جو اثر آپؐ کی تقریر سے پیدا ہو وہ زائل ہو جائے۔ دشمنی اسے کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور دشمنانِ دین بھی ہر وقت تکلیف پہنچانے پر تیار رہتے تھے۔ اور ہر ممکن تکلیف بے دریغ آپؐ کو پہنچائی جاتی تھی۔ ایک دفعہ خبابؓ نے ان تکلیفوں سے تنگ آ کر آپؐ کی خدمت میں عرض کی کہ آپؐ ان دشمنوں کے حق میں دعائے بد کیوں نہیں کرتے؟ آپؐ نے فرمایا خبابؓ میں دنیا کیلئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں، میرا کام بددعا کرنا نہیں، اللہ تعالیٰ وہ دن جلد لائے گا جب تمام ملک میں امن و امان قائم ہو جائے گا اور کوئی شخص سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی سے خوف نہ کرے گا۔ تاریخ گواہ ہے کہ آنحضرتؐ کی یہ پیش گوئی حرف بہ حرف پوری ہوگئی۔

سنہ ۱۰ نبوی میں حج کے موقعہ پر مدینہ سے کچھ لوگ حسب معمول حج ادا کرنے مکہ آئے۔ آپؐ نے اُن کو اسلام کی دعوت دی، وہ لوگ آپؐ کی باتوں کو توجہ سے سنتے رہے اور اُن میں سے چھ شخص اُسی وقت ایمان لے آئے جو قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے واپس جا کر اس بات کا دوستوں میں چرچا کیا۔ دوسرے سال بارہ آدمی ایمان لائے۔ پھر تیسرے سال بہتر (72) آدمی مسلمان ہوئے اور درخواست کی کہ کسی معلم کو عقائد اور ارکان کی تعلیم کیلئے مدینہ بھیجا جائے۔ آپؐ نے مصعبؓ ابن عمیر کو اس خدمت پر مقرر فرمایا۔ انہوں نے مدینہ پہنچ کر

سعدؓ بن زرارہ کے مکان پر قیام کیا اور ایسے خلوص اور جوش کے ساتھ تبلیغ کی کہ تھوڑے دنوں میں مدینہ سے قبا تک گھر گھر اسلام پھیل گیا۔ چند بار قبیلہ اوس کے سردار کو تبلیغ کی۔ جن کا نام سعدؓ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سعدؓ معہ تمام قبیلہ کے مسلمان ہو گئے۔ جب مدینہ میں اسلام کا چرچا ہوا تو آنحضرتؐ نے مکہ کے مسلمانوں کو مدینہ ہجرت کرنے کا مشورہ دیا اور تھوڑے دنوں کے بعد خود بھی مع حضرت ابوبکرؓ کے مدینہ تشریف لے آئے۔ آپؐ کی ہجرت کا سبب یہ ہوا کہ قریش نے جب مدینہ میں اسلام کی دن دونی رات چوگنی ترقی کا حال سنا تو اُن کو بہت غصہ آیا اور انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ آپؐ کو قتل کر دینا چاہیے۔ جب آپؐ کو اس امر کی اطلاع ملی تو اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا کہ آپؐ بھی مدینہ ہجرت فرمائیں۔ پس آپؐ اُسی رات کو جب قریش آپؐ کے قتل کا منصوبہ بنا رہے تھے حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر اونٹ پر سوار ہو کر راتوں رات مکہ سے باہر نکل گئے اور ایک غار میں پوشیدہ ہو گئے۔ جو آج بھی موجود ہے اور جبل ثور میں واقع ہے۔

صبح کو جب قریش کو معلوم ہوا کہ آپ گھر میں موجود نہیں ہیں تو چاروں طرف تلاش کرنا شروع کیا۔ بچھونے کے پاس جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ علیؓ لیٹے ہیں۔ بہت غضبناک ہوئے اور کہا، "کیوں علی! محمد ﷺ کہاں گئے؟" فرمایا "تم مجھے سپرد کر کے گئے تھے، جو مجھ سے پوچھتے ہو؟" یہاں سے مایوس ہو کر تلاش کرتے ہوئے اُس غار کے قریب آ پہنچے۔ حضرت ابوبکرؓ نے مضطرب ہو کر کہا۔ "یا رسول ﷺ دشمن سر پر آ پہنچا ہے۔" آپؐ نے فرمایا، ڈرو مت اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ ادھر اُدھر تلاش کرنے کے بعد وہ لوگ واپس چلے گئے۔ آپؐ موقع پا کر نکلے اور پیدل روانہ ہوئے۔ دوسرے دن خوش قسمتی سے حضرت زبیرؓ جو شام سے سامان تجارت لے کر واپس آ رہے تھے راہ میں مل گئے۔ انہوں نے لباس، خوراک اور سواری کا انتظام کیا۔ آپ مع الخیر مدینہ سے تین میل کے قریب قبا میں پہنچے۔ جہاں تمام مسلمانوں نے آپؐ کا استقبال کیا۔ وہاں پہلا کام آپؐ نے یہ کیا کہ ایک مسجد تعمیر کی۔ پھر مدینہ پہنچے۔ جمعہ کا دن تھا اور ۴ اکتوبر ۶۲۲ء کو آپؐ نے مدینہ میں پہلا جمعہ پڑھایا اور پہلا خطبہ دیا۔ آپؐ کی میزبانی کی سعادت

حضرت ابوایوب انصاریؓ کے حصہ میں آئی۔ اُن کے مکان میں سرورِ کائنات ﷺ اترے اور اسلام کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

سب سے پہلا کام مسجد کی تعمیر تھی۔ اس کے بعد اپنی نیک بیویوں کیلئے مسجد کے اردگرد مکانات تعمیر کرائے۔ سب سے زیادہ ضروری بات یعنی جماعت کے ساتھ نماز مسجد کے بن جانے کا لازمی نتیجہ تھی۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ کے مشورہ سے بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا۔ اس کے الفاظ میں نماز کی اطلاع کے علاوہ اسلام کے اُصولوں کی تبلیغ بھی مدنظر تھی۔

مدینہ کے مسلمانوں یعنی انصار نے مکہ سے آئے ہوئے مسلمانوں یعنی مہاجرین کے ساتھ بالکل حقیقی بھائیوں کا سا سلوک کیا۔ جس کی مثال دنیا کے پردے پر ڈھونڈے نہ ملے گی۔ آپؐ نے ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصار کا آپس میں بھائی چارہ قائم کر دیا۔ اپنا بھائی علیؓ کو بنایا جو چچازاد بھائی تھے۔ اور سب لوگ بہ سہولت رہنے لگے۔ ۲ھ میں اللہ تعالےٰ کے حکم کے موافق بیت المقدس کے بجائے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم نازل ہوا اور اس دن سے آج تک مسجد الحرام (کعبہ) برابر دنیا کے مسلمانوں کا مذہبی مرکز ہے۔

جب قریش نے دیکھا کہ جنہیں ہم نے ترک وطن پر مجبور کیا تھا وہ تو نہایت آرام سے مدینہ میں زندگی بسر کر رہے ہیں تو اُن کے غصے اور رنج کی کوئی انتہا نہ رہی۔ بالآخر مدینہ پر چڑھائی کرنے کا فیصلہ کیا اور ماہ رمضان ۲ھ میں مکہ والے ایک ہزار پیدل اور ایک سو سواروں کے ساتھ آنحضرتؐ کے پاک مشن کا خاتمہ (نعوذ باللہ) کرنے نکلے۔ جب آپؐ کو خبر ہوئی تو آپؐ نے جانثاروں کو بلایا اور صورت حال بیان کی۔ تمام مسلمانوں نے بیک آواز کہا، حضور والا! ہم مسلمان ہیں۔ یہودیوں کی طرح آپؐ سے یہ ہرگز نہیں کہیں گے کہ آپؐ اپنے اللہ کو لے کر دشمنوں کا مقابلہ کریں اور ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔ بلکہ ہم سب آپؐ کے قدموں میں اپنی جانیں نثار کریں گے۔ یہ سن کر آپ نے کہا مناسب ہے کہ دشمن کا مقابلہ باہر نکل کر کیا جائے۔

چنانچہ تین سو تیرہ آدمیوں کی جماعت آپؐ کے ساتھ اسلام کی لاج رکھنے کیلئے مدینہ سے باہر نکلی اور بدر کے مقام پر کفر و اسلام میں مقابلہ ہوا۔ ظاہر ہے کہ یہ جنگ خود عرب کے کافروں اور قریش مکہ نے آپؐ کو زک دینے کیلئے کی تھی۔ اب آپؐ مجبور تھے کہ وہ اپنے بچاؤ کیلئے تلوار اٹھائیں۔ دنیا میں کوئی شخص جان بچانے کو قابلِ الزام بات نہیں سمجھ سکتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے جوش کے سامنے دشمن کی تگنی فوج کے قدم اکھڑ گئے۔ ستر نامور سردار قتل ہوئے، جن میں آنحضرتؐ کا دشمن چچا ابوجہل بھی تھا۔ اور بہت سے گرفتار ہوئے۔ گویا قریش نے خود ہی اپنی تباہی کا سامان مہیا کر لیا۔ آپؐ نے قیدیوں کے ساتھ نہایت عمدہ سلوک کیا۔ جس کی بنا پر بہت سے قیدی مسلمان ہو گئے۔ باقی ماندہ کو اُن کے رشتہ داروں نے فدیہ دے کر چھڑایا۔ دوسرے سال قریش اور عرب کے دوسرے لوگ پچھلی شکست کا بدلہ لینے کیلئے ماہ شوال ۳ھ میں بڑی فوج لے کر پھر مدینہ پر حملہ آور ہوئے اور کوہ اُحد پر پڑاؤ ڈالا۔ آپؐ سات سو صحابہؓ کو ساتھ لے کر مقابلہ کیلئے نکلے۔ پہلے تو مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا لیکن آخر میں جب قریش کے پاؤں اکھڑ گئے اور مسلمان بے فکری سے مالِ غنیمت جمع کرنے لگے۔ اچانک قریش نے آن دبایا اور مسلمانوں کا بہت نقصان ہوا۔ ستر سے زیادہ بہادر مسلمان شہید ہوئے اور کچھ لوگ بھاگ گئے اور آنحضرتؐ کے چہرہ مبارک پر بھی زخم لگا۔ قریش اپنی فتح پر ناز کرتے ہوئے مکہ واپس آئے۔

اسی سال آپؐ نے حضرت عمرؓ کی بیٹی حضرت حفصہؓ سے شادی کی اور اپنی بیٹی اُم کلثومؓ کی شادی حضرت عثمانؓ سے کر دی۔

باوجود ان باتوں کے اسلام ترقی کر رہا تھا۔ رفتہ رفتہ یہودیوں میں سے بھی بعض آدمی مسلمان ہو گئے۔ جس پر یہود کو قدرتی طور پر مسلمانوں سے عداوت پیدا ہو گئی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۵ھ میں قریش اور یہود دونوں نے مدینہ پر چڑھائی کی تیاریاں شروع کر دیں اور ذوالقعدہ ۵ھ میں چوبیس ہزار آدمی مدینہ کی طرف بڑھے۔ آپؐ نے سوچا کہ باہر نکلنا مناسب نہیں لہذا مدینہ میں شہر بند ہو گئے اور خوش قسمتی سے صرف ایک ہی طرف خندق کھودنی پڑی۔ کیونکہ مدینہ کے

تین طرف نخلستان واقع تھا۔ اسی لئے اسے جنگ خندق کہتے ہیں۔ شہر کا محاصرہ بائیس دن تک رہا اور ہر روز لڑائی ہوتی رہی۔ عرب کے مشہور بہادر اس دوران میں مارے گئے اور مجبور ہو کر قریش اور اُن کے ساتھی واپس چلے گئے۔ آئی بلا ٹل گئی۔

۶ ھ میں آپؐ نے حج کا ارادہ کیا اور چودہ سو جاں نثار ساتھ چلے۔ لیکن قریش نے آپؐ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیا۔ حالانکہ آپؐ نے کہلا بھیجا تھا کہ میں لڑنے کی نیت سے نہیں آیا۔ خیر! چند روز کے بعد مسلمانوں اور قریش میں صلح نامہ مرتب ہوا۔ جس میں پہلی شرط یہ تھی کہ مسلمان اس سال بغیر حج کیئے واپس چلے جائیں اور مکہ کے کسی مسلمان کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔ مدینہ میں کوئی شخص مکہ سے چلا جائے تو واپس کرنا ہوگا۔ جب دوسرے حج کیلئے آئیں تو ہتھیار نہ لائیں۔ حدیبیہ مکہ کے قریب ایک مقام ہے یہاں آپؐ معہ اصحاب مقیم تھے۔ اسی لئے اس صلح نامہ کو صلح نامہ حدیبیہ کہتے ہیں۔ مسلمانوں کو ان شرطوں سے بہت رنج پہنچا اور کچھ مسلمانوں کے دل میں اسلام کی طرف سے شکوک پیدا ہونے لگے۔ لیکن بعد میں ایسا خیال کرنے والوں نے توبہ کی۔ آپؐ نے فرمایا یہ شکست نہیں بلکہ فتح ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں بھی اسے فتح ہی قرار دیا گیا ہے۔ اکثر صحابہ کو تعجب ہوا کہ ظاہراً تو شکست ہوئی ہے حج بھی ادا نہ کر سکے لیکن بعد میں جب صلح نامہ کی رو سے آپس میں کافر و مسلم کے تعلقات ہوئے تو چونکہ ہر مسلمان ایمان، راستی، نیکی، پاکیزگی اور شرافت کی جیتی جاگتی تصویر تھا۔ مخالفوں کے دل خود بخود اسلام کی طرف مائل ہونے لگے۔ ہزار ہا مشرک ایمان لے آئے۔ اور حضرت خالدؓ فاتح شام اور عمروؓ بن عاص فاتح مصر کا اسلام بھی اسی زمانہ کی یادگار ہے۔

۶ ھ میں جب اپنوں کی طرف سے کچھ اطمینان نصیب ہوا تو آپؐ نے ارادہ فرمایا کہ اسلام کا پیغام غیر ممالک میں بھی پہنچایا جائے۔ چنانچہ آپؐ نے روم، ایران، مصر، حبش اور شام کے بادشاہوں کے نام تبلیغی خطوط روانہ کیئے۔ جن میں قریب قریب یہی مضمون تھا کہ "اے بادشاہ! میں تجھ کو اسلام کی طرف بلاتا ہوں جو سلامتی کا مذہب ہے۔ اگر تو اسلام لائے

تو اللہ تعالیٰ تجھے دگنا اجر عطا فرمائے گا، ورنہ اہل ملک کا گناہ بھی تیری گردن پر ہوگا۔

جو لوگ ان خطوط کو لے کر گئے وہ آپؐ نے منتخب کیئے تھے اور انہوں نے بے دھڑک دوسرے ملکوں میں جا کر تبلیغ اسلام کا فرض ادا کیا۔ اسی سال عرب کے دو مشہور بہادر خالد بن ولید اور عمرو ابن العاص جنہوں نے اب تک اسلام کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا اسلام کی خوبیوں کو دیکھ کر خود بخود حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہزاروں صحابہ کی موجودگی میں بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھ کر لوگوں کو دکھا دیا کہ واقعی صلح حدیبیہ مسلمانوں کیلیئے فتح ہی تھی۔ خالدؓ نے اسلام قبول کرنے کے بعد وہ کارہائے نمایاں کیئے کہ آپؐ نے فتح مکہ کے دن ان کو سیف اللہ کا لقب عطا فرمایا۔

۷ھ میں جنگ خیبر واقع ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جنگ خندق میں قریش کے علاوہ یہودیوں کو بھی نقصان پہنچا تھا۔ اس لیے اس سال انہوں نے بہت سی فوج جمع کی اور مدینہ پر چڑھائی کا سامان کیا۔ فوراً آپؐ کو اس بات کی خبر ملی۔ آپؐ نے پہلے تو کوشش کی کہ صلح ہو جائے۔ لیکن یہود کو اپنی کثرت پر گھمنڈ تھا لہذا آپؐ نے بھی تیاری کی اور خیبر پر چڑھائی کر دی۔ جب یہود کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے حملہ کرنے کا خیال ترک کر دیا اور اپنے شہر کو بچانے کے لیے واپس ہوئے۔ یہود کے ساتھ دیگر اہل عرب بھی شریک تھے لیکن انجام کار دشمنوں کو شکست پر شکست ہوئی اور خیبر کے سارے قلعے مسلمانوں نے فتح کر لئے۔ اس میں حضرت علیؓ نے بہت کارہائے نمایاں کیئے۔ چونکہ یہود کی طرف سے پہلے بھی وعدہ خلافیاں عمل میں آ چکی تھیں لہذا اس مرتبہ جس قدر علاقہ فتح ہوا اس پر مسلمانوں نے اپنا قبضہ جما لیا اور یہود اُن کے ماتحت زندگی بسر کرنے لگے۔ مسلمانوں نے ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ لیکن یہود اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے۔ ایک دن ایک یہودی نے حضورﷺ کی دعوت کی۔ آپؐ نے قبول فرمائی۔ لیکن اُس کی زوجہ نے آپؐ کے کھانے میں زہر ملا دیا۔ پہلا لقمہ اُٹھایا تھا کہ آپؐ کو زہر کا پتہ چل گیا۔ تب آپؐ نے اُس یہودن کو بلا کر پوچھا۔ اُس نے اقبال جرم کر لیا۔ آپؐ پر تو اثر نہ ہوا، لیکن ایک

صحابیؓ جو آپؐ کے ساتھ تھے اُن کا انتقال ہو گیا۔ قصاص میں وہ عورت قتل کر دی گئی۔

اس جنگ سے فارغ ہونے کے بعد آپؐ نے صلحنامہ حدیبیہ کی رو سے اس سال معہ تمام صحابہؓ کے مکّہ تشریف لا کر عمرہ ادا فرمایا۔

۸ ؁ھ میں مکہ فتح ہو گیا۔ تفصیل اس کی یوں ہے کہ قبیلہ خزاعہ کے لوگ آپؐ کے حلیف تھے۔ اُن پر قریش نے حملہ کیا اور بہتوں کو ناحق قتل کر ڈالا۔ آپؐ نے قریش کو کہلا بھیجا کہ مقتولوں کا عوض دو۔ کیونکہ ہم اور بنی خزاعہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کا وعدہ کر چکے ہیں۔ اگر یہ بات منظور نہ ہو تو لامحالہ صلح نامہ حدیبیہ ٹوٹ جائے گا۔ قریش نے فدیہ نہ دیا اور جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ آپؐ نے بھی دس ہزار صحابہؓ کے ساتھ مدینہ سے کوچ کیا اور جس وقت مکہ کے قریب پہنچے تو قریش نے اس فوج کو دیکھ کر مقابلہ کا خیال چھوڑ دیا۔ اُبوسفیان جو مکہ کا سردار اور آپؐ کا جانی دشمن تھا مجبوراً آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا۔ ہم لوگ آپؐ سے لڑ نہیں سکتے۔ لہٰذا اطاعت قبول کرتے ہیں۔ یہی امیر معاویہؓ کا باپ تھا۔ اس کے بعد وہ معہ اپنے خاندان کے مسلمان ہو گیا۔ آپؐ نے اعلان کرایا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے گا اُسے امان ملے گی۔ تمام قریش نے ہتھیار ڈال دیئے اور آپؐ دس ہزار پاک اور نیک آدمیوں کے ساتھ مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے۔ سب سے پہلے خانہ کعبہ میں تشریف لے گئے اور بتوں کے وجود سے اللہ تعالیٰ کے گھر کو پاک کیا۔ آپؐ ایک لکڑی سے بتوں کو زمین پر گراتے جاتے اور یہ آیت پڑھتے جاتے تھے،

جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا،

(سورۃ اِسراء 17:81)

یعنی حق آیا اور باطل مٹ گیا۔ تحقیق باطل مٹنے کیلئے تھا۔ اس کے بعد آپؐ کے حکم سے بلالؓ نے بلند آواز کے ساتھ اذان کہی اور آنحضرتؐ نے معہ صحابہؓ کے نماز ادا کی۔ نماز کے بعد حضورؐ نے ایک تقریر فرمائی جس کا خلاصہ ہے کہ عبادت کے لائق صرف ایک اللہ تعالیٰ ہے

جس کا کوئی شریک نہیں اور اس کے وعدے سچے ہیں۔ اُسی نے مجھے یہ توفیق عطا کی کہ کعبہ کو بتوں کے وجود سے پاک کر دوں۔ اے لوگو! خاندان اور نسل پر غرور مت کرو۔ اللہ تعالیٰ کی نظر میں سب لوگ برابر ہیں اور جو تم میں زیادہ نیک ہے وہی اللہ تعالیٰ کی نظر میں زیادہ معزز ہے۔ پس چاہیے کہ تقویٰ اختیار کرو۔ اس کے بعد آپؐ نے ہر شخص کو معافی عطا کی۔ قریش تو یہ سمجھے ہوئے تھے کہ آج محمد ﷺ ہم سے تمام پچھلی شرارتوں کا بدلہ لیں گے۔ لیکن آپؐ دنیا کیلئے رحمت بن کر آئے تھے۔ یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ آپؐ کسی کو بری نظر سے دیکھتے۔ وہ تو سب کو ایک سا سمجھتے تھے اور ہمیشہ سمجھتے رہے۔ مسلمانوں کو بھی اُن کی یہی تعلیم ہے کہ محبت کرو، ہمدردی کرو، ہر شخص کو اپنا بھائی سمجھو۔

آپؐ نے فرمایا، اے قریش! تم پر کوئی الزام نہیں تم سب آزاد ہو۔ اگر آپؐ دنیاوی خیالات کے پابند ہوتے تو تمام قریش کو قتل کرا دیتے۔ لیکن محمدؐ کی یہ شان قابلِ غور ہے کہ آپؐ نے اپنی خوشی کیلئے کسی سے بدلہ نہیں لیا۔ جنہوں نے آپؐ کو انتہائی ایذا پہنچائی تھی، قتل کے منصوبے باندھے تھے حتیٰ کہ وطن سے نکال دیا تھا۔ جب وہ آپؐ کے ماتحت آئے تو آپؐ نے وہ کرم فرمایا جس کی مثال اور کہیں ڈھونڈے نہ ملے گی۔ فتح مکہ کا اثر یہ ہوا کہ تھوڑے ہی دنوں میں عرب کا ملک بتوں کے وجود سے پاک ہو گیا اور یہی حضورؐ کا مقصدِ اولیٰ تھا۔

۹ھ میں شام کے عیسائی بادشاہ نے عرب پر چڑھائی کرنے کی تیاری کی۔ جب آنحضرتؐ کو اس بات کا علم ہوا تو آپؐ نے تمام قبیلوں کے نام اطلاع روانہ فرمائی کہ باہر کے دشمن کے مقابلہ کیلئے پوری قوت کے ساتھ تیاری کرنا چاہیے۔ آپؐ کی آواز پر ہر جانب سے لوگ آنا شروع ہو گئے اور مدینہ کا انتظام حضرت علیؓ کے سپرد فرما کر تیس ہزار سپاہ کے ساتھ حضورؐ نے پیش قدمی فرمائی۔ لیکن تبوک پہنچ کر آپؐ کی خدمت میں دشمن کا قاصد آیا اور صلح کی درخواست پیش کی۔ آپؐ نے درخواست منظور فرمائی اور جزیہ کی شرط لگائی جسے عیسائیوں نے منظور کیا۔ چند روز قیام کرنے کے بعد حضورؐ معہ تمام سپاہ کے مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔ جہاں تمام اہلِ شہر نے آپؐ کا خیر مقدم کیا۔ جب اس طرف سے اطمینان ہو گیا تو بعض لوگوں نے آپؐ سے کہا،

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب تو مکہ فتح ہو گیا، وہیں بود و باش اختیار فرمایئے۔ لیکن آپؐ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے مصیبت کے وقت مجھے پناہ دی تھی ان کو چھوڑ کر جانا شرافت سے بعید بات ہے میں تمام عمر مدینہ ہی میں رہوں گا۔ آپؐ کی اس بات سے انصار اور تمام مدینہ کے لوگ بے حد خوش ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کو دوسروں کے جذبات کا نہایت پاس تھا اور آپؐ کا ہر لفظ، ہر بات، ہر فعل دوسرے لوگوں کے دلوں کو مسخر کر لیتا تھا۔

تھوڑے دنوں کے بعد جب ملک میں امن و امان قائم ہو گیا اور آپؐ کی پیشین گوئی پوری ہو گئی جو آپؐ نے ابتدا میں کی تھی کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جب عرب میں امن و امان ہو جائے گا۔ تو اب اس بات کے سوچنے اور عمل کرنے کی فرصت ملی کہ محبت کے ساتھ تمام لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا جائے۔ اگر اب تک اسلام نے خاطر خواہ ترقی نہیں کی تھی تو اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ اسلام کے عقائد سمجھ سے بالا ہیں یا کوئی عقیدہ شرافت کے خلاف ہے بلکہ اس لئے کہ تمام ملک مخالفت پر تلا ہوا تھا اور مسلمانوں کو اپنی جان کی حفاظت سب سے مقدم تھی۔ جب اللہ تعالیٰ کے فضل اور نبی کریمؐ کی مسلسل کوششوں سے یہ رکاوٹیں دور ہو گئیں تو آپؐ نے تبلیغ اسلام کا کام باقاعدہ شروع کر دیا۔ مختلف علاقوں میں سمجھدار اور عالم اصحابؓ روانہ فرمائے اور ان کو تاکید فرمائی کہ سختی سے کام نہ لیں بلکہ نرمی سے سمجھائیں اور جو نہ مانے اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ”دین کے معاملے میں کسی پر جبر نہیں“۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ اُنہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جس قدر لڑائیاں آنحضرتؐ کو پیش آئیں سب میں دشمنوں ہی کی ابتدا نظر آتی ہے۔ کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ آپؐ نے زبردستی کسی شخص کو مسلمان بنایا ہو یا کوئی لڑائی خود شروع کی ہو۔ ہمیشہ ایسا ہوا کہ مخالف نے حملہ کیا اور آپؐ نے اس کی روک کی۔ جب آپؐ کسی کو فوج کا حاکم بنا کر دشمن کا حملہ روکنے کیلئے بھیجتے تو اس کو تاکید فرماتے کہ اگر وہ صلح کر لیں تو فوراً تم بھی تلوار نیام میں کر لینا۔ آپؐ کا مقصد کشت و خون نہ تھا کیونکہ مار دھاڑ، لوٹ کھسوٹ، ظلم اور زبردستی سے کوئی شخص نہ

مسلمان ہوا اور نہ ہوسکتا ہے۔

یمن کے علاقہ میں پہلے حضرت خالدؓ کو بھیجا گیا۔ بعد ازاں حضرت علیؓ کو اور ان دونوں کی کوشش اور تبلیغ سے سارا صوبہ اسلام لے آیا۔ اسی طرح دیگر علاقوں میں ہوا۔

دوسری صورت یہ تھی کہ جو لوگ زکوٰۃ اور جزیہ وصول کرنے جاتے تھے وہ تبلیغ کا فرض بھی انجام دیتے تھے چونکہ حضرت علیؓ سب سے زیادہ عالم تھے اس لئے اُن کی کوشش سے بہت سے علم دوست ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ ایک اور صورت یہ تھی کہ کچھ لوگ آپؐ کی خدمت میں رہ کر اصولِ اسلام سے واقفیت پیدا کرتے تھے بعد ازاں اپنے اپنے شہروں کو واپس جاتے اور تبلیغ کرتے۔ فتح مکہ گویا تبلیغ اسلام کیلئے رحمت کا دروازہ تھا جو مسلمانوں پر کھولا گیا۔ گذشتہ بیس سال میں اس قدر لوگ داخلِ اسلام نہیں ہوئے جس قدر آخری تین برسوں میں۔

۹ھ میں نجران واقع یمن میں جہاں بہت سے عیسائی آباد تھے، آنحضرتؐ نے اُن لوگوں کو دعوتِ اسلام دینے کیلئے چند آدمی روانہ فرمائے۔ جس پر وہاں سے چند عیسائی عالم اور بہت سے عیسائی مذہبی مکالمہ کرنے کیلئے مدینہ آئے۔ آپؐ نے ان لوگوں کی بہت خاطر تواضع کی اور مسجد ہی میں رہائش کا انتظام کیا۔ رواداری اور سلوک کا یہ نمونہ دکھایا کہ اپنی مسجد میں اُن کو نماز ادا کرنے کی اجازت دی۔ بعض صحابہؓ نے اعتراض کیا۔ آپؐ نے فرمایا، عیسائی بھی اہل کتاب ہیں اور اُسی اللہ کو پُوجتے ہیں جسے تم پُوجتے ہو۔ اگر وہ اپنے طریق پر نماز ادا کرتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ آخر مسجد تو اللہ ہی کی عبادت کیلئے بنائی گئی ہے۔

اس بات سے مسلمانوں کو سبق سیکھنا چاہیے۔ جو آجکل عیسائی تو درکنار خود مسلمانوں کو محض معمولی اختلاف کی بنا پر مسجدوں میں نمازیں ادا کرنے سے روکتے ہیں۔ آئے دن اس قسم کے مقدمات عدالت میں پیش ہوتے ہیں کہ فلاں فرقہ کو ہماری مسجد میں نماز سے روک دیا جائے۔ حالانکہ مسجد تو اللہ کی ہے اور اُس کا ذکر کرنے کیلئے بنائی گئی ہے۔ اللہ تعالےٰ خود فرماتا ہے،

''اوراس شخص سے بڑھ کرکون ظالم ہوگا جومسجدوں میں ذکراللہ کرنے سے روکے۔'' یہ لوگ تو مسلمان ہیں، ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اب وہ زمانہ ہے کہ ہندو، مسلمان، عیسائی، سکھ سب مل کر رہیں اور ہر مذہب والا دوسرے مذہب سے رواداری کا برتاؤ کرے۔ ہمارے رسول ﷺ نے کبھی یہ تعلیم نہیں دی کہ ہم دوسرے مذاہب والوں کو تکلیف پہنچائیں۔ بلکہ کہا کہ اگر کوئی غیر مسلم تمارے یہاں آجائے تو تم اس کی بہت خاطر مدارت کرو۔

نماز کے بعد نجران کے وفد نے آپؐ سے مختلف مسائل پر گفتگو کی۔ آپؐ نے ان کے سولات کے جوابات دیئے۔ دوسرے دن وہ لوگ رخصت ہوئے اور مسلمانوں سے دوستانہ تعلقات کر لئے۔

۴

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دونمایاں شانیں تھیں۔ایک شانِ نبوت، دوسری شانِ امارت۔ آپؐ نبی بھی تھے اور عرب کے بادشاہ بھی۔اس لحاظ سے اگر ایک طرف تبلیغ کا سلسلہ جاری تھا تو دوسری طرف ملکی انتظامات بھی ہورہے تھے۔عرب تو ہمیشہ قبیلہ وار رہا کرتے تھے اور بات بات پر آپس میں کٹ مرنے کے عادی تھے۔لیکن آپؐ نے کمالِ دانائی کے ساتھ ان کو ایک متحدہ جماعت بنادیا اور اس اتفاق اور اتحاد ہی کا یہ اثر تھا کہ پہلی صدی ہجری کے اندر اندر عرب لوگ سرحد چین سے لے کر بحرِ ظلمات تک حکمران تھے۔

ان باتوں کے علاوہ تیسری نمایاں شان انسانیت یا شخصی زندگی تھی جو ایک مشترک چیز ہے۔چونکہ آپؐ اُمت کیلئے نمونہ قائم کرنا چاہتے تھے اور خود اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ محمد رسول اللہ کی زندگی میں تمہارے لئے بہترین نمونہ مل سکتا ہے۔سو پہلی بات جس نے بڑے بڑے مخالفوں کو حیرانی میں ڈال دیا ہے یہ ہے کہ باوجود بادشاہت اور حکومت کرنے کے آپؐ نرم بستر پر نہیں سوتے تھے۔وہی چمڑے کا گدا جس میں کھجور کی پتیاں بھری ہوئی تھیں شروع سے لے کر آخر تک آپؐ کے ساتھ رہا۔زیادہ تر آپؐ کھری چارپائی پر آرام فرماتے تھے۔بان کے نشان آپؐ کی کمر پر پڑ جاتے تھے۔قمیض پھٹ جاتی تو خود سی لیا کرتے، جوتا ٹوٹ جاتا تو خود مرمت کر لیتے۔ بکریوں کا دودھ نکالنا اور گھر کا کام کرنا آپؐ کے نزدیک ذلت کی بات نہ تھی۔لڑائیوں میں خود شریک ہوتے۔اگر خندق کھودی جاتی تو مثل دوسروں کے آپؐ بھی مٹی ڈھوتے۔حالانکہ صحابہؓ منع کرتے مگر آپؐ فرماتے کہ عدل و انصاف کا تقاضا یہی ہے۔ہر مسلمان کو اپنا بھائی اور برابر سمجھتے۔مجلس میں اپنے لئے کوئی اعلیٰ درجہ کی نشست، گدا اور تکیہ، مورچھل اور اگالدان کچھ نہ تھا۔ آپؐ کی زندگی سادگی کا نمونہ تھی۔آپؐ تک پہنچنے کیلئے کسی اطلاع کی ضرورت نہ تھی۔ہر مسلمان ہر وقت آپؐ سے دینی اور دنیاوی امور میں مشورہ کرسکتا تھا۔مختلف مقامات سے لوگ تحقیق حق

کیلیئے آتے تھے۔آپؐ بذات خود مہمانداری کے فرائض انجام دیتے تھے۔اگر کوئی تنگدست آدمی حاضر خدمت ہوتا تو خود بھوکا رہنا گوارا تھا لیکن جو کچھ گھر میں موجود ہوتا اس کی نذر فرما دیتے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کامل تھا اس لئے جو کچھ آتا شام تک سب تقسیم فرما دیتے۔اگر کسی نے سو درہم آپؐ کی نذر کیے تو وہ سب آپؐ اللہ کی راہ میں صرف کر دیتے تھے۔حالانکہ آپؐ کی جگر گوشہ اور محبوب ترین بیٹی فاطمہؓ نے کئی دفعہ دبی زبان سے کہا کہ ''چکی پیستے پیستے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں،ایک لونڈی خرید دیجئے۔''لیکن آپؐ نے فرمایا''بیٹی! کچھ پروانہیں، قیامت کے روز تمہیں بہت اجر ملے گا اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوگی۔لیکن میں بیت المال کو اپنی ذاتی غرض کیلیئے استعمال نہیں کر سکتا۔''

زیادہ کام ہوتے ہوئے بھی آپؐ اکثر بیماروں کی مزاج پرسی کیلیئے تشریف لے جاتے اور اُن کے سرہانے دعا کرتے۔نماز جنازہ بھی پڑھا دیتے۔مدینہ کے رہنے والوں کے چال چلن پر توجہ فرماتے۔اگر کوئی شخص شرعی احکام کے خلاف کرتا تو آپؐ فوراً نوٹس لیتے۔خود ذاتی طور پر لوگوں کے اخلاق کی اصلاح فرماتے۔کیونکہ آپؐ تو نبوت کے اعلیٰ ترین مقام پر کھڑے ہی اس لئے ہوئے تھے کہ لوگوں کے اخلاق سنوار دیں۔اس جگہ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ انبیاؑء کا اصلی مقصد صرف یہی ہے کہ لوگوں کو اللہ تعالےٰ سے ملا دیں۔فلسفہ اور منطق کی تعلیم دینا ان کا کام نہیں ہے۔اسی سبب سے ایک مرتبہ جب مسجد نبوی میں چند صحابہؓ تدبیر و تقدیر سے متعلق بحث کر رہے تھے تو آپؐ نے سختی کے ساتھ انہیں روک دیا اور فرمایا،''فضول بحثوں میں پڑ کر کام کرنے کی قوت جاتی رہتی ہے۔''

اس بحث سے تمہیں کچھ فائدہ نہ ہوگا کہ مُرغی پہلے ہوئی یا انڈا۔فلسفہ کے مسائل تو جس طرح ڈھائی ہزار سال پہلے اُلجھے ہوئے تھے اسی طرح آج بھی ہیں اور قیامت تک یوں ہی رہیں گے۔مبارک ہے وہ انسان جو اپنے نفس پر قابو حاصل کرتا ہے اور نیکی کی راہ پر چل رہا ہے۔اسلام کے عقائد میں سب سے بڑا اصول توحید الٰہی ہے اور قرآن شریف میں ہر جگہ اسی پر زور ہے۔

غیر مسلم کو جب دائرہ اسلام میں داخل کیا جاتا ہے تو پہلی بات جو اُسے سکھائی جاتی ہے یہی توحید ہے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ، یہ کلمہ مسلمانوں کا ایمان ہے اور دراصل یہی روحِ اسلام ہے۔

ایک انگریز لکھتا ہے کہ ''مسلمانوں نے توحید پر اس قدر زور دیا کہ کسی دوسری قوم نے نہیں دیا۔ یہاں تک کہ اُنہوں نے اس بات کو اپنے مذہب کا نشان اور ورد زبان بنا رکھا ہے اور یہ گواہی چونکہ ایک غیر مسلم نے دی ہے اس لئے غور سے پڑھنے کے لائق ہے۔

اسلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک مصلحت کے مطابق اس قوم میں ظاہر کیا جس کے اخلاق اور خیالات، عقائد اور اعمال اس قدر خراب تھے کہ کوئی قوم اُن کی برابری نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن تاریخ گواہ ہے کہ آنحضرتؐ کی پاکیزہ زندگی اور قرآن شریف کی اعلیٰ تعلیم، ان دو چیزوں نے مل کر عربوں کی کایا پلٹ دی۔ وہی لوگ جو بات بات پر ایک دوسرے کا خون بہا دیا کرتے تھے اب مثل بھیڑوں کے حلیم ہو گئے تھے اور نبی کریم ﷺ کی پاک قوت اور شخصیت کا اس قدر زبردست اثر اُن کی طبیعتوں پر جم گیا تھا کہ جس دن شراب کے حرام ہونے کی آیت نازل ہوئی اور آنحضرتؐ نے مدینہ کے کوچوں میں اس کی منادی کرائی تو اُن عربوں نے جن کی گھٹی میں شراب پڑی ہوئی تھی فوراً مٹکے اور گھڑے باہر پھینک دیئے اور اکثر لوگوں سے روایت ہے کہ مدینہ کی بعض گلیوں میں شراب اس طرح بہہ رہی تھی جیسے برسات کے موسم میں گلیوں میں بارش کا پانی۔ بڑے بڑے مخالفوں کو اس بات کا اقرار کرنا پڑا کہ جو مقصد آپؐ تن تنہا بے یار و مددگار، بے زر اور بے اثر لے کر کھڑے ہوئے تھے، آپؐ نے تکمیل کو پہنچا دیا۔ آپؐ کی پاکیزہ زندگی کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ سے ایک شدید تعلق قائم تھا اور جب غارِ ثور میں دشمن قریب آ گئے تو حضرت ابوبکرؓ نے گھبرا کر کہا یا رسول اللہ! دشمن بہت ہیں اور ہم تو صرف دو ہی ہیں۔ آپؐ نے فوراً کہا نہیں ہم تین ہیں اور تیسرا اللہ ہے۔ پس جس طرح آپؐ ربِ واحد کے پرستار تھے اسی طرح مسلمانوں کو اس اصول پر قائم کیا۔ توحید کے بعد آپؐ کی نبوت اور رسالت پر ایمان رکھنا مسلمانوں پر فرض ہے۔ چونکہ توحید کی صداقت ہمیں آپؐ کی معرفت ملی ہے جب تک کوئی شخص آپؐ کو صادق اور

راستباز تسلیم نہ کرے وہ اللہ کی توحید پر کس طرح ایمان لاسکتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ پورا کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا للّٰہُ مُحَمَّدٌرَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے۔

مسلمان کیلئے فرشتوں اور تمام آسمانی کتابوں تمام رسولوں پر خواہ وہ کہیں ہوئے ہوں ایمان رکھنا بھی ضروری ہے۔

ہمارا یہ عقیدہ نہیں کہ صرف عرب یا شام ہی میں نبی آئے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہر ملک میں ہادی بھیجے۔جنہوں نے وہی اللہ تعالیٰ کا مذہب یعنی توحید کا پرچار کیا۔لیکن بعد میں لوگوں کی کم علمی یا غلط فہمی کی وجہ سے تعلیم بدل کر کچھ سے کچھ ہوگئی۔ قرآن شریف میں صاف طور پر لکھا ہوا ہے،(13:7) لِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ یعنی ہر قوم کیلئے ہادی بھیجا گیا۔ پس اس اصول کی بنا پر ہم کو سری کرشن اور رام چندر کو اللہ کا نبی تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں۔ان لوگوں میں ساری باتیں پیغمبروں کی سی پائی جاتی تھیں۔سری کرشن اور حضرت موسیٰؑ کا مقابلہ کرو،گوتم بدھ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی پر ساتھ ساتھ نظر ڈالو،گورونانک اور رسولؐ اللہ کی تعلیم سے مطابقت کرو۔ حضرت زرتشت اور دوسرے پیغمبروں کی تعلیمات کی کوئی بات لو،تم کو معلوم ہوجائے گا کہ یہ ساری شاخیں ایک ہی درخت کی ہیں۔بعض بالکل سیدھی ہیں اور بعض کم۔بعض بڑی ہیں اور بعض چھوٹی۔لیکن سب ایک جڑ پر قائم ہیں۔مذہبوں کی شکلیں دوسری ہوگئی ہیں۔لیکن مقصد سب کا ایک ہی ہے۔کوئی اس کا جلوہ آگ میں دیکھتا ہے اور کوئی بت میں۔کوئی اس کو مسجد میں کہتا ہے اور کوئی گرجے میں۔اس لیے ہم کو چاہیے کہ ہم کسی مذہب کو برا نہ کہیں بلکہ اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھیں۔اسلام کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ وہ تمام مذہبوں کی عزت کرتا ہے۔اُن کے بانیوں کی عزت کرتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کو عام قرار دیتا ہے۔جب قرآن فرماتا ہے کہ ہر ایک گروہ میں ڈرانے والا یعنی نبیؑ بھیجا گیا (10:47) تو مسلم کا فرض ہے کہ وہ ہر گروہ کے مذہبی پیشوا کی عزت کرے۔اور تحریر وتقریر سے کسی کی توہین نہ کرے۔

پھر آخری اصول یہ ہے کہ مرنے کے بعد پھر زندگی ہوگی اور ہر شخص کو اللہ تعالیٰ کے

حضور میں اپنے اعمال کی جواب دہی کرنا پڑے گی۔قرآن شریف کی وسعت رواداری ملاحظہ ہو، فرماتا ہے جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لا کر نیک کام کرتا ہے خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم اللہ تعالیٰ اُسے اجر دے گا۔

عقائد کے بعد اعمال کا درجہ ہے۔ اعمال میں سب سے پہلے نماز پنجگانہ، پھر ماہِ رمضان کے روزے۔سرمایہ پاس ہوتو زکواۃ اور حج۔افسوس ہے کہ مسلمانوں نے زکوٰۃ کو بھلا رکھا ہے اور قومی ضروریات کیلئے کوئی انتظام نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہماری قوم بُری حالت میں پڑی ہوئی دوسری قوموں کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی ہے۔

فروری ۶۳۲ء یعنی ماہ ذی الحج ۱۰ھ میں آپؐ نے آخری مرتبہ حج ادا فرمایا۔ پہلے سے اطلاع کرادی تھی کہ اس کے بعد میں اس موقعہ پر دنیا میں نہ ہوں گا۔جو شریک ہو سکے وہ ضرور آئے تاکہ مجھ سے ایک مرتبہ قبل وفات مل لے اور جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ کر اپنی تسلی کر لے۔اس وجہ سے دور دور سے مسلمان حج کرنے کیلئے جمع ہو گئے۔ جب رسول کریم ﷺ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو کئی لاکھ مسلمان آپؐ کی رکاب میں حاضر تھے۔آپؐ نے تمام لوگوں کو نیک باتیں تلقین فرمائیں۔(یہ واقعہ غدیر خم پر ہوا تھا)

مثلاً ''کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر محض اس لئے کہ وہ عربی یا عجمی ہے کوئی فضیلت نہیں۔سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم خاک سے پیدا ہوئے تھے۔سارے مسلمان خواہ وہ عرب ہوں یا شامی، آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔غلاموں کو بھی وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو۔اور مبارک ہے وہ مسلمان جو غلاموں کو آزاد کرتا ہے۔

عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرو اور ان کو حقیر مت سمجھو۔جس طرح عورتوں پر تمہارا حق ہے،عورتوں کا بھی تم پر حق ہے۔کسی بے گناہ کو قتل مت کرو۔اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں۔ دوسرے کی جان اور مال کا ویسا ہی لحاظ کرو جیسا اپنی جان و مال کا۔

مسلمانو! بے شک میں عنقریب تم سے جدا ہو کر اپنے پروردگار سے جاملوں گا۔لیکن

سید البشرؐ

ایک ایسی شے تمہارے درمیان چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم سب لوگ یکساں طور پر اس کی عزت کرو گے اور اپنے اختلافات میں اس کی طرف رجوع کرو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ وہ قرآن ہے۔ مذہب کے معاملہ میں اپنی ذاتی رائے سے کمی بیشی مت کرو۔ مثلاً اللہ فرماتا ہے، اے محمد ﷺ ! مسلمانوں سے کہہ دو کہ میں بھی تمہاری طرح ایک بشر ہوں۔ اب اس آیت کے ہوتے ہوئے کسی مسلمان کو حق نہیں پہنچتا کہ محبت کی راہ سے مجھے بڑھانے کیلئے بشریت سے نکال کر خالق کے درجہ تک پہنچا دے۔ ایسا شخص بجائے فائدہ کے نقصان میں رہے گا۔ اسی طرح ایک موقعہ پر ایک شخص نے کہا جو اللہ اور اس کا رسول چاہے وہ ہو گا۔ آپؐ نے فرمایا، غلط ہے، یوں کہو جو اللہ چاہے وہ ہو گا۔ مجھے اللہ کے ساتھ کیوں شریک ٹھہرا دیا؟ اسی طرح آپؐ ایک دعوت میں گئے چند لڑکیوں نے کچھ اشعار گائے، ایک مصرعہ یہ تھا، اور آج ہم میں ایک رسول ہے جو کل (آئندہ) کا علم رکھتا ہے آپؐ نے فرمایا یہ مصرعہ مت پڑھو، آئندہ کا علم سوائے اللہ کے اور کسی کو نہیں ہے۔"

اسی اثناء میں اللہ پاک کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ" آج مسلمانوں کا دین ان کے لئے کامل کر دیا گیا اور نعمتِ الٰہی ان پر تمام کر دی گئی۔" آنحضرتؐ نے یہ خوشخبری فوراً سب کو سنائی پھر فرمایا۔ "یاد رکھو! کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ باپ کے جرم کا ذمہ دار اُس کا بیٹا نہیں ہو سکتا۔ جو شخص تم کو نیکی کی طرف چلائے اس کی بات سنو۔ اگر تمہارے اوپر ایک نیچی ذات کا آدمی (حالانکہ اسلام میں ذات پات کی تمیز نہیں ہے، یہ بات عربوں کے زاویہء نگاہ سے کہی تھی) مثلاً کالا حبشی حکمران ہو اور وہ شریعت اسلامی کے مطابق احکام صادر کرے، تو تم پر اس کی فرمانبرداری فرض ہے۔"

"اگر جنت میں داخل ہونے کی آرزو ہے تو میرے احکام پر عمل کرو۔ یعنی نماز پڑھو، روزے رکھو، زکواۃ دو اور ایک اللہ کے سوائے کسی کی عبادت نہ کرو۔ نہ کسی سے مدد مانگو۔"

حج کے ارکان سے فارغ ہو کر حضور ﷺ نے معہ صحابہؓ مدینہ منورہ کی طرف مراجعت فرمائی۔ اور جب صبح کے وقت مدینہ کے قریب پہنچے تو یہ دعا زبانِ مبارک پر جاری ہوئی۔

"بزرگ ہے وہ ذات جس کے سوائے کوئی معبود نہیں ہے اور کوئی شخص اُس کی حکومت میں اُس کا شریک نہیں ہے (دنیا کی) حکومت اس کو سزاوار ہے اور ساری تعریفیں اُسے زیب دیتی ہیں اور وہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔ توبہ کرتے ہوئے، عاجزی کے ساتھ اپنی پیشانی زمین پر رکھتے ہوئے، اسی اللہ کی تعریف کرتے ہوئے ہم حج سے واپس آ رہے ہیں، جس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندہ کی مدد کی۔

اس واقعہ کے دو ماہ بعد ۱۸ صفر ۱۱ھ کی شب کو آپؐ کی طبیعت یکا یک خراب ہوئی اور ہر چند علاج کیا گیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ جب تک آپؐ میں چلنے پھرنے کی طاقت رہی برابر مسجد نبوی میں تشریف لا کر نمازیں پڑھاتے رہے۔ لیکن وفات سے پانچ روز پہلے آپؐ اس قدر کمزور ہو گئے تھے کہ عشاء کی نماز کیلئے کئی بار چارپائی سے اٹھ کر مسجد میں آنے کا ارادہ کیا، لیکن ہر دفعہ غشی طاری ہو گئی۔ اُس وقت آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو اپنا نائب مقرر کیا اور آپؐ کی وفات تک انہوں نے امامت فرمائی۔ یہ ایک بہت بڑی عزت تھی جو حضرت ابوبکرؓ کو حاصل ہوئی۔ اور یہی وجہ تھی کہ تمام مشہور اور بڑے بڑے صحابہؓ نے حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ کو اپنا خلیفہ تسلیم کیا۔

جمعرات کے دن آپؐ کی طبعیت ذرا اچھی ہو گئی، یعنی بخار تھوڑی دیر کیلئے اُتر گیا۔ آپؐ نے کئی مشکیزے پانی اپنے سر پر ڈلوایا۔ اس کے بعد لباس تبدیل فرما کر حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کی مدد سے مسجد میں تشریف لائے۔ یہ بھی خیال ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ کو باجماعت نماز پڑھنے کا بہت خیال تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے جب آپؐ کو تشریف لاتے دیکھا تو فوراً آپؐ کیلئے جگہ خالی فرما دی۔ آپؐ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور اس کے بعد مختصر سا خطبہ دیا جو آپؐ کی زندگی کا آخری خطبہ تھا۔ مسلمانوں کو نیکی کی تلقین کرتے ہوئے آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ اُس شخص کی محبت اور رفاقت کا سب کے سامنے شکریہ ادا کروں جس نے تمام عمر اپنی جان اور مال سے میری خدمت کی ہے۔ اور اگر میں اللہ کے سوائے کسی اور کو اپنا دوست

بنا تا تو اُسی کو بنا تا اور وہ شخص ابو بکرؓ ہیں۔

پھر آپؐ نے مسلمانوں کو آخری نصیحت فرمائی کہ دیکھو! جس طرح اور لوگوں نے اپنے پیشواؤں کی قبروں کو پوجنے کی جگہ بنالیا، تم ایسا نہ کرنا۔ یہ بات آنحضرتؐ نے اس لئے فرمائی کہ عیسائیوں کا طرزِ عمل آپؐ کے سامنے تھا۔ اُنہوں نے حضرت مریمؑ کی باقاعدہ پرستش شروع کر دی تھی اور یہود ونصاریٰ دونوں اولیا کی قبروں پر جا کر مرادیں مانتے اور چڑھاوے چڑھاتے تھے۔ بد قسمتی سے آج مسلمانوں میں بھی وہی مرض پیدا ہو گیا ہے جس کا آپؐ کو اس قدر خیال تھا کہ بخار کی شدت میں بھی صحابہؓ کی طرف خطاب فرمایا، ''اللہ یہود ونصاریٰ کو اس کی سمجھ دے جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو پرستش گاہ بنالیا ہے۔ خبردار تم ایسا نہ کرنا۔ دوسرے دن آپؐ کو بخار کی شدت ہو گئی۔ آپؐ نے اسی درد اور بے چینی کی حالت میں حضرت عائشہؓ سے کہا دیکھو! میں نے کچھ اشرفیاں تمہارے پاس امانت رکھوائی تھیں اُنہیں فوراً خیرات کر دو۔ دوشنبہ کو جس دن آپؐ کی وفات ہوئی، صبح کے وقت آپؐ کا مزاج کچھ رو بہ اصلاح ہو گیا۔ فجر کی نماز کے وقت آپؐ نے دریچہ میں سے جھانکا تو دیکھا کہ لوگ نمازِ فجر میں مشغول ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر آپ مسکرائے۔ کیونکہ جیتے جی آپؐ نے اپنی کوششوں کا ثمر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ علاوہ بریں نماز سے بڑھ کر اور کوئی شے آپؐ کو محبوب نہ تھی۔ آپؐ نے ساری عمر آدھی رات سے اُٹھ کر فجر کی نماز تک عبادت ہی میں بسر کی۔ کیونکہ نماز انسان اور اللہ کے درمیان رشتہ پیدا کرتی ہے اور اس میل جول کے پیدا کرنے کیلئے آپؐ نے اپنی زندگی وقف کی تھی لہٰذا قدرتی طور پر یہ منظر دیکھ کر آپؐ کو خوشی ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا ہے کہ نماز عمارتِ دین کا ستون ہے۔ جس طرح چھت بغیر ستون کے قائم نہیں رہ سکتی اسی طرح دین بغیر نماز کے قائم نہیں رہ سکتا۔ آپؐ نے اکثر اوقات ساری ساری رات عبادت ہی میں بسر کی ہے۔ حتیٰ کہ آپؐ کے پیروں پر ورم آ گیا۔ خیر! دوپہر کے وقت بخار کی شدت ہو گئی۔ حضرت فاطمہؓ آپؐ کی تکلیف اور بے چینی سے بے حد پریشان ہوتی تھیں۔ لیکن آپؐ انہیں تسلی دیتے تھے کہ میں جلد ہمیشہ کے آرام سے مل جاؤں گا۔ اور جلد اس تکلیف کا خاتمہ ہو جائے گا۔

سہ پہر کے وقت حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے عبدالرحمٰنؓ حضور ﷺ کی عیادت کیلئے آئے۔ اُن کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ آپؐ نے غور سے مسواک کی طرف دیکھا۔ انہوں نے فوراً آپؐ کی خدمت میں پیش کی۔ مسواک کرنے کے بعد آپؐ پر حالتِ نزع طاری ہوگئی۔ آخری لمحات میں یہ الفاظ آپؐ کی زبان پر جاری تھے؛

اَللّٰھُم الرفیق الاعلی ، یعنی اب مجھے صرف اس الہٰ برتر کی رفاقت درکار ہے۔ چند لمحات کے بعد آپؐ نے حضرت عائشہؓ صدیقہ کے گھر میں عالمِ جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُوْنَ O

جب صحابہؓ کو آپؐ کی وفات کا علم ہوا تو اکثر اصحاب مارے غم کے مدہوش ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کی تو یہ کیفیت ہوئی کہ تلوار کھینچ لی اور کہا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ آپؐ نے وفات پائی اُس کا سر قلم کر دوں گا۔

جب حضرت ابوبکرؓ نے صحابہؓ کا یہ رنگ دیکھا تو فوراً مسجد نبوی میں آکر خطبہ دیا کہ جو شخص محمد ﷺ کو پوجتا ہے اُسے معلوم ہو کہ محمد ﷺ نے وفات پائی۔ لیکن جو خدائے معبود واحد کا پرستار ہے اُسے خوشخبری ہو کہ اللہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ پھر آپؓ نے قرآن شریف کی یہ آیت پڑھی (3:144) ترجمہ " حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور اُن سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ پس اگر وہ وفات پا جائے تو اے مسلمانو! کیا تم دین سے برگشتہ ہو جاؤ گے؟

حضرت ابوبکرؓ کی دانشمندی سے یہ فتنہ فرو ہو گیا اور سب کو سکون حاصل ہوا۔ حضورؐ نے ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو دوشنبہ کے روز شام کے وقت وفات پائی اور منگل کی شام کو جسم مبارک سپردِ خاک کیا گیا۔ نبی جس جگہ وفات پائے اُسی جگہ دفن کیا جاتا ہے۔ اس حدیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت علیؓ اور چند اصحابؓ نے حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں ہی لاش مبارک دفن کی۔

چار روزہ تقریر کے اختتام پر قاضی صاحب نے فرمایا:

دوستو! میں نے اس سلسلہ میں آپ صاحبان کے سامنے آنحضرتؐ کی زندگی کے نمایاں اور قابل تقلید پہلو پیش کیے ہیں۔ وقت نہیں ہے ورنہ کئی روز تک حضور پاک ﷺ کے کیریکٹر پر روشنی ڈالتا۔ جن دوستوں کو مزید حالات معلوم کرنے کا شوق ہو وہ بڑی بڑی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

قاضی محمد سلیمان، سلمانؔ منصور پوری

بسم الله الرحمن الرحيم

اللّٰهُمَّ رَبَّ الْحِلِّ وَالْحَرَامِ وَرَبَّ الْبَلَدِ
الْحَرامِ وَرَبَّ الرُّكْنِ وَ الْمَقَامِ وَرَبَّ
الْمَشْعَرِ الْحَرامِ بِحَقِّ كُلِّ آيَتِه اَنْزَلتَهَا فِي شَهْرِ
رَمَضَانِ ط بَلِّغِ رُوحِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّ اللّٰهُ
عَلَيهِ وَسَلَّمَ مِنِّي تَحِيَّةً وَّ سَلَاماً ط

(نماز عشاء کے بعد ۴ مرتبہ پڑھیں)

از بیاض قاضی سلمان منصور پوریؒ

(بقیہ پس منظر صفحہ نمبر 10 سے آگے)

یہ واضح ہوا کہ تقریر کے سامعین میں غیر مسلم اساتذہ، طلبا اور مہمانان گرامی بھی تھے۔ سری رام چندر اور سری کرشن کو نبیء وقت تسلیم کرنے میں قاضیؒ صاحب تنہا نہیں ہیں۔ اکابر اسلاف نے بھی اس کا اظہار کیا تھا۔

اہل تصوف نے بھی ہندوؤں کے ساتھ اہل کتاب کا سا سلوک کیا۔ اگر سلسلہء عالیہ چشتیہؒ کے بزرگوں نے ہندو، سکھ کو متاثر کیا ہوتا تو زیادہ تعجب نہ ہوتا۔ نقشبندیؒ صوفیائے کرام میں ایک بڑا نام حضرت مظہر جان جاناںؒ کا ہے۔ انھوں نے تو ایک ہندو سالک کو بیعت کر کے تصوّف کا پہلا سبق بھی دے دیا تھا۔ جو حضرت آدم علیہ السلام کے نورِ مبارک سے وابستہ ہوتا ہے صرف یہ کہلوایا تھا کہ میں اللہ کی توحید اور محمدؐ کی رسالت کو برحق مانتا ہوں، نقشبندی ہندو جماعت کے خلفاء کا سراغ 1931ء میں فوت ہونے والے ایک ''ہندو'' تک مل گیا ہے۔ جماعت آج 2005ء میں بھی قائم ہے۔ اسی طرح خود کو حسینی برہمن کہلوانے والے دتّ ہندو آج بھی موجود ہیں۔ مجھے ذاتی طور پر علم ہے! تاکہ ''مکّی زندگی'' بسر کرنے والے بظاہر ''غیر مسلم'' ''مدنی زندگی'' کو بھی اپنالیں، یعنی دین میں پورے پورے داخل ہو جائیں۔ ''سید البشر'' جیسی کتب کی اشاعت آج کے دور کا اہم تقاضا ہے۔

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال اور قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے ایک دوسرے کا عہد پایا۔ انجمن حمایت اسلام کے مقبول عام سالانہ جلسے میں دونوں یک جا ہوتے۔ قاضی صاحب کا نثر میں خطبہ اور علامہ اقبال کا نظم میں خطاب ہونا جلسے کا معمول ہوتا تھا۔ دونوں بزرگوں کے خیالات میں یگانگت تھی۔ سری کرشن مہاراج کی مجدّدانہ عظمت کا دونوں کو اعتراف تھا۔ اسرارِ خودی کے پہلے ایڈیشن میں علامہ اقبال نے اردو میں دیباچہ لکھا۔ سری کرشن کی مدحت کی، ان کی تعلیمات کی ستائش کی۔ اسرارِ خودی کے بعد کے ایڈیشن میں، وہ دیباچہ، شاملِ کتاب نہیں ہوا؟ علی سردار

جعفری نے اقبال کی صد سالہ سالگرہ کی تقریبات پر شائع ہونے والی یادگار کتب میں اپنی تصنیف ''اقبال شناسی'' میں اُس دیباچہ کو نقل کیا ہے۔ اور علامہ اقبال کی نثر کے مجموعوں میں بھی محفوظ ہے۔

خطیب محمد حسین بَرے رمزؒ (وصال 30 جون2006, عمر 104 سال) بمبئی کے خطیب اعظم تھے۔ سلسۂ عالیہ چشتیہ میں اعلیٰ مقام کے حامل تھے۔ انہوں نے اپنے شیخ حضرت شاہ وارث حسنؒ کے خلیفہ مجاز، حضرت ذوقی شاہ صاحبؒ کے ملفوظات '' تربیۃ العشاق '' کے نام سے مرتب فرمائے۔ کچھ اقتباسات درج ہیں، جو قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ کے خیالات سے یگانگت رکھتے ہیں:

بابا گرونانک

کتاب'' تذکرۃ الرشید '' کے حوالہ سے بیان فرمایا۔ کہ گرونانک، حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی اولاد میں سے ایک صاحب کے مرید تھے۔ مجذوب ہو گئے تھے۔ ہندو مسلمان دونوں ان کے گرویدہ تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ گرونانک مسلمان تھے۔ ان کی کتاب'' گرنتھ صاحب '' کے پہلے شعر میں خدا اور رسول کی حمد و ثنا موجود ہے۔ سکھوں کے پاس گرونانک کے وقت کا ایک پردہ ہے، جس پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے۔ انہوں نے حج بھی کیا تھا۔ اکثر حالتِ استغراق میں رہتے تھے۔

سری کرشن ، سری رام چندر جی

ان دونوں بزرگوں کو ہندو مذہب میں 'اوتار' مانا جاتا ہے۔ ان کے سوانحِ حیات، مہا بھارت، اور رامائن نامی کتب میں درج ہیں۔ تاریخ کی رو سے ان کا عہدِ حیات متعین نہیں ہو سکا ہے۔ ہندوؤں کی مقدس ترین کتاب'' وید'' میں ان کا ذکر نہیں ہے۔'' مہا بھارت'' نام کی کتاب میں متبرک'' گیتا'' شامل ہے، جو سری کرشن کے اپنے الفاظ ہیں، اور نظم کی صورت میں ہیں۔ مہا بھارت، رامائن، گیتا، ان سب کے تراجم تمام مشہور زبانوں میں' بہ شمول اردو ' ہو چکے ہیں۔ ملفوظات

تربیت العشاق سے مندرجہ ذیل مزید اقتباسات درج ہیں:

بھگوت گیتا

(حضرت ذوقی شاہ صاحب) نے ارشاد فرمایا کہ، بھگوت گیتا کو ایک مسلمان ہی سمجھ سکتا ہے۔ یہ ہندوؤں کے سمجھ میں آنے والی چیز نہیں ہے۔

کرشن اور رام

ارشاد فرمایا، کہ ہندوں کے پیشوا بھی صاحبِ نسبت تھے۔ کرشن کو نسبت عشق حاصل تھی۔ اور رام کی نسبت میں کشف و انوار کا غلبہ تھا۔ اور لچھمن / لکشمن (سری رام چندر جی کے بھائی) کا درجہ رام سے بڑھا ہوا تھا۔ عالم استغراق میں رہتے تھے۔ (بارہ برس کا بن باس یعنی جلاوطنی میں) اپنی بھاوج سیتا کی طرف نظر تک نہ کی۔ نہ منہ کی طرف، نہ پاؤں کی طرف۔

(اختتام اقتباسات)

میرے عہد کے نامور مصنف، فلاسفر، صوفی، سلسلۂ شاذلیہ کے شیخ مجاز، جناب شوان صاحبؒ (FRITHJOF SCHUON) اسلام قبول کرنے سے قبل، بھگوت گیتا کا مسلسل مطالعہ کرتے رہے، اور اسلام قبول کرنے کے بعد بھی مطالعہ جاری رکھا۔ گیتا کا موضوع ''جہاد'' ہے۔ جنگ بدر جیسے حالات میں سری کرشن جی کا وعظ ہے۔ جب دونوں طرف کی افواج میں قریبی رشتہ دار اور نزدیکی دوست ایک دوسرے کے مدمقابل تھے۔ جنگِ مہابھارت اسی واقعہ کو کہتے ہیں۔

حضرت زرتشتؑ

پیغمبر اور صاحبِ کتاب نبی تھے۔ ان کا عہد متعین نہیں ہوا۔ ایک تحقیق کی رو سے سیدنا ابراہیمؑ کے ہم عصر ہونگے۔ ایران میں بعثت ہوئی۔ صحیفۂ زرتشتؑ، بنام 'خوردہ اَوِستا' کو میں

نے پڑھا ہے۔اہرمن نام کا کوئی خدا نہیں۔شیطان اہرمن کی مذمت بہت ہوئی۔آگ کی پوجا کا کوئی ذکر نہیں پانچ نمازوں اور روزوں کی تلقین ہے۔نیک سوچ، نیک گفتار، اور نیک اعمال ان کی تعلیم کا خلاصہ ہے۔صفائی طہارت پر بہت زور ہے۔احادیث مبارکہ میں زرتشتی (پارسی) جماعت کو'اہل کتاب'میں شمار کیا گیا ہے۔آبادی کے تناسب سے مشاہیر جملہ علوم وفنون کا تناسب اس مذہب کے پیروکاروں میں حیرت انگیز ہے۔اُن کے جید عالم''شمس العلماء'' کا خطاب پاتے ہیں۔

مہاتما بدھ

گوتم سدھارت نام تھا۔شاہزادے تھے۔ترک دنیا کو اختیار کیا۔بت پرستی اور ذات پات کے خلاف تبلیغ کی۔اُن کی تعلیمات کا خلاصہ ''تکمیلِ ذاتِ خود'' ہے۔ذات کی تصحیح، تربیت اور تکمیل کے لئے قابلِ قدر فلسفہ بیان کیا۔آج ہمارے عہد کے بدھ مت کے پیروکار نے ان کی تعلیمات کو اس طور پر مسخ کیا ہے کہ خدا کا واضح تصور موجود رہا نہ ہی حیات اور حساب بعد از موت کا۔مگر ان کے فلسفہء ذات میں بہت دلآویزی اور کشش ہے۔اسے ''نروان'' کہتے ہیں۔آبادی کے لحاظ سے دنیا کا بہت بڑا مذہب ہے۔اور عظیم تہذیب اور ثقافت کے آثار کا حامل ہے۔

فاضل مقرر اور مصنف قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ نے آنحضرت ﷺ کی انسان دوستی پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔آپؐ نے منصب نبوت پر فائز ہونے سے پندرہ سال پہلے ''حلف الفضول'' نامی ایک سروس کلب میں شمولیت اختیار فرمائی تھی۔جو انسانی حقوق، سماجی خدمت اور حق شناسی کی غرض سے قائم ہوا تھا۔حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اب (نبوت اور رسالت کے بعد) بھی میں ویسے سروس کلب میں شمولیت رکھنا محبوب رکھتا ہوں۔

یہ کتاب عرصے سے ناپید تھی اب دوبارہ زیور طبع سے آراستہ ہو رہی ہے۔اس مرتبہ آیات قرآنی کا حوالہ بھی درج کر دیا گیا ہے اور اغلاطِ کتابت کی تصحیح بھی کر دی گئی ہے۔یہ مختصر کتاب طلبہ کیلئے، فاضل مصنف کی سیرت رسول مقبول ﷺ پر شہرہ آفاق کتاب رحمۃ للعالمین کا ایک قیمتی

خلاصہ ہے۔ تین جلدوں کی اس عظیم الشان کتاب (رحمۃ للعالمین) کو جو شہرت عام اور بقائے دوام حاصل ہوا ہے، اس کا عالم یہ ہے کہ اس کے بعد لکھی جانے والی سیرت کی ہر کتاب کے مصنف نے اس سے اخذ و اقتباس کو اپنے لیے ایک وقیع حوالہ جانا ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ اس مختصر کتاب کو بھی شرف قبولیت سے نوازے اور اس سے استفادے کے دائرے کو وسعت عطا فرمائے۔ آمین

اِن شاء اللہ اس مختصر کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہوگا۔ مصنف مرحوم کی تالیف ''رحمۃ للعالمین'' کا ترجمہ عربی، انگریزی اور بنگالی زبان میں ہو چکا ہے۔ سندھی اور ہندی میں ترجمہ مکمل ہونے کی توقع ہے۔ شرح اسماء الحسنٰی کا انگریزی ترجمہ اور آئینہ تصوف کی تلخیص کا انگریزی ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

مصنف مرحومؒ کے مختصر سوانح حیات کے لیے ان کی تالیف ''تاریخ الحرمین'' عُرف ''سفرنامہ حجاز'' کا مطالعہ کیجیے۔ مولانا محمد اسحٰق بھٹی صاحب نے اُن کی سوانح حیات پر ایک مفصل کتاب مرتب فرما دی ہے۔

سیرت پر اس کتاب سیدالبشرؐ کے اختتام کے بعد، خانوادۂ حضرت منصورپوریؒ کا فارسی، اُردو کلام، شاملِ اشاعت ہے برائے حصولِ برکت وفیضِ باری اور بہ طور تحدیث نعمت کہ قاضی صاحبؒ کی چوتھی نسل تک بھی تصنیف وتالیف کا شغف جاری ہے۔

(حسن معزالدین)

حمد حق تعالیٰ سبحانہ تقدس عزاسمہ

از: قاضی عبدالعزیز صاحب عزیزؔ ۔ خلف الرشید مصنف رحمۃ للعالمین

قلم تسلیم حمد حق میں ہوتا ہے رواں میرا / تقرب کیش سجدہ میں ہے آداب بیاں میرا
الف "اللہ" کا گلشن میں ہے سروِ رواں میرا / کھلا ہے بائے بسم اللہ سے نطق بیاں میرا
الف الحمد کا سنت پذیر قد و ابرو ہے / ہلال آسا رکوع ایما ہے کلکِ تر زباں میرا
نہیں سمجھا ہوں تسنیم الست کی لطافت کو / مرے جام بلیٰ میں نشہ پرور ہے گماں میرا
مرا درد آفریں سوز تمنا دے گیا مجھ کو / چمکتا ہے کواکب کی روش درد نہاں میرا
''غفور و غافر و غفار'' کو شایاں ستائش ہے / رکھا ہے سترِ غفراں میں ہر اک اثم گراں مرا
''حکیم'' ''مطلق'' و ''تواب'' کو تعریف واجب ہے / قبول توبہ سے ہلکا کیا بارگراں میرا
وہ مخفی اور معطی ہے عطا ظاہر ہے خود مخفی / ثنا اس ظاہر و باطن کی کرتا ہے دہاں میرا
یہ سب خوان کرم مرے لئے ہے خود نہیں کھاتا / میں اک مہمان بے پروا ہے شاکر میزباں میرا
وہ اول ہے وہ آخر ہے کوئی تاویل کچھ کرلے / رجوع اسکی طرف کرتا ہے آخر ہر گماں میرا
مرے مولا قریب اتنا ہے تو مجھ سے نہیں دکھتا / تیری تعریف میں تر ہے بدن کا ہر رواں میرا
ثنائے حق کلیمؑ طور سے بھی ہو نہیں سکتی / تمنائے جمال ناز ہے ذوق زباں میرا
ثنا اس حَیِّ قائم کو نہ سوئے اور نہ جو اونگھے / مگر سامان راحت کر دیا خواب گراں میرا
ثنا خالق کو جس نے میری آمد سے بہت پہلے / مہیا کر دیا سامان عشرت سے مکاں میرا
سمیع کُل مجیب حق کو ہی تعریف واجب ہے / مری فریاد کو جس نے بنایا ترجماں میرا
سمیع و صانع قادر کو ہی حق ستائش ہے / کہ موزون سماعت کر دیا اک استخواں میرا
مصوّر کی ثنا تصویر کی خوبی پہ حیراں ہے / کہ ڈھالا احسنُ التقویم میں ہے خاکداں میرا

زباں کے لوتھڑے کو خوب گویائی عطاء کردی | سزا وار ثنا ہے مبدع کون و مکاں میرا
تغیر دوست واقع ہو گیا میری رعایت سے | رموز آموز درس عشق ہے وہ جانِ جاں میرا
جو دل میں یاد کرتا ہوں تو دل میں یاد کرتا ہے | زباں سے ذکر کرتا ہوں تو ہے وہ ہم زباں میرا
وہ رافع ہے وہ مومن ہے مہیمن ہے بحمداللہ | ثریٰ کے تخت سے تا عرش پہنچایا مکاں میرا
وہ رب العالمین بے شک صمد ہے بے نہایت ہے | عنایت کس قدر کرتا ہے سب پر مہرباں میرا
نہ رہ جاؤں کہیں محروم میں کسب فضائل سے | مرے رحمٰن نے لازم کیا ہے امتحاں میرا
تو مانع ہے مجھے منع و ساوس کی ضرورت ہے | تو معطی ہے عطاؤں نے مٹایا ہر زیاں میرا
قدیم ایسا روش اس نے نہ بدلی آج تک اپنی | یہ میں ہوں جو بدل جاتا ہے رہ چلتے دھیاں میرا
تعالیٰ اللہ عالی و علی وہ رب اعلیٰ ہے | پہنچ سکتا نہیں اسکی بلندی کو گماں میرا
عزیز اسمائے حسنیٰ سے حسیں انسان بنتا ہے | حسیں دل لے کے آیا ہوں حسیں حسن بیاں میرا

قاضی عبدالعزیز صاحب عزیز رحمۃ اللہ علیہ

بعثت رسول ﷺ

قاضی عبدالعزیز صاحب عزیزؔ، بی۔اے، (علیگ)

مبارک دو کہ حدِ نگہ کے اندر ندیم آیا
مرا مولا مرا محسن وہ ہم چشمِ دو میم آیا

نہ دل ہارو نہ جی چھوڑو۔ رکھو حُبّ نبیؐ قائم
عزیز آیا۔ حریص آیا۔ رؤف آیا رحیم آیا

تکبر کے بتوں کو سر بہ سجدہ کر دیا جس نے
اٹھو اے خاک افتادو کہ غمخوار و رحیم آیا

یہاں صدق و وفا علم و حیا کا ایک گلشن ہے
یہاں کا غنچہ غنچہ غالیہ بوئے شمیم آیا

وہ ہر افسردہ دل کو خندہ گل بخشنے والا
گلستانِ قدس سے صورت لطف نسیم آیا

وہ تسکین ایامیٰ آمنہ کا لاڈلا بیٹا
یتیموں کی تسلّی ابن عبداللہ یتیم آیا

رخ خورشید میں نور محمدؐ کی تجلّی ہے
شہادت کو ادا کرنے مہِ کامل دو نیم آیا

گنہ گارو چلے آؤ تمہارے داغ دھل جائیں
وضوئے عفو سے طیّب بنا یاں جو اثیم آیا

مجھے روضہ میں پہنچا دو۔ حرم کے سامنے رکھ دو
تڑپ اٹھا جگر میں درد پھر ذکر حکیم آیا

تجسّس در بدر کرتا ہوا اے رحمت عالم
عزیزؔ آوارہ عشقِ بتاں سوئے حریم آیا

محترم قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری

کا فارسی کلام

ترجمہ اُردو: حنیفہ انجم قاضی

قصیدہ درنعت مصطفوی ﷺ

از: قاضی محمد سلیمان صاحب، سلمان منصور پوریؒ

(درنعت مصطفوی ﷺ از: رحمۃ للعالمین جلد اول)

دلم زسینہ ربود آن جمال نورانی
کہ حسن را بہ تماشائے اوست حیرانی

(مجھے اس ایک شعر کا ترجمہ دو اشعار میں کرنا پڑا۔

مترجم)

جمال معنی و زین کمال و حسن جلال
مطاع خلق وضیائے جہان ظلمانی
محمدؐ اسم ، حبیب اِلٰہ و خواجۂ کل
نوید رحمت و پیمان عفو یزدانی
گزید فقر کہ فرماں روائے ملک ابد
بہ مشت خاک ندارد ہوائے سلطانی
نبوت است یکے قصہ آسماں پایہ
کہ ہم مُتمم او آمدی و ہم بانی
عرب بچاہِ جہالت فتادہ بود بسر
بسر گرفت زِ تو افسر ہمہ دانی
نمیرد آنکہ ز جام ولائے تو نوشد
کجا ست مائل ظلمات شاہ یونانی

اُردو ترجمہ از: حنیفہ انجم قاضی

جمال نور نے دل لے لئے حسینوں کے
وہ دلربائی کہ دل چھن گئے ہیں سینوں سے

ہوئی جو بزم جہاں میں جمال آرائی
تو حسن خود بھی ہے حیران اور تماشائی

جمال ان کا ،کمال ان کا، اور جلال ان کا
جہان تار مطیع کر گیا جمال ان کا

ہے ان کا نام محمد ﷺ حبیب و خواجہ کل
نوید رحمت رحمان اللہ عزو جل

چنا ہے فقر کو ہے شان ان کی لاثانی
وہ تاجدار ابد اور یہ جہاں فانی

وہ ابتدائے نبوت میں اولین ہوئے
برائے ختم نبوت وہ آخرین ہوئے

عرب تھا چاہ جہالت میں غرق سر تا سر
ہوئے وہ حکمت علم و ہنر سے تاج بہ سر

جنھوں نے جام محبت پیا انھیں ہے بقا
انھوں نے توڑ دیا سحر اہل یوناں کا

بہ نزل عام تو مہماں نشستہ صد عالم
عجب تر آں کہ بعالم نزیل و مہمانی

درنجات کشودی بروے احمر و اسود
گہے کہ بست برایشاں یہود و نصرانی

حدیث پاک تو آں جامع الکلم کہ ازو
رسد بہ فوز چہ یونانی وچہ سودانی

جہاں شنید زِفمّ تو آں کلام خدا
کہ دادہ بود خبر زد کلام عمرانی

بداں جناب کہ جبریلؑ رانہ پرّو پر
تراست رفتن و از شوق حلقہ جنبانی

دلت گواہ بصدق نظارہ چشمت
نگاہ پاک تو بینائے صنع رحمانی

توئی کہ از تو تمدن روان تازہ گرفت
توئی کہ کندہ زعالم بنائے رہبانی

توئی کہ نام نہی خمر را مخمر عقل
توئی کہ اُم خبائث شراب راخوانی

توئی کہ صدق ہمہ راستاں پدید کنی
توئی کہ عظمت پیشیناں درخشانی

ترجمہ

ضیوف ان کے صد عالم ہے میزبانی عجب
تمام دنیا کو سکھلا رہا ہے اُمی لقب
سیاہ و سرخ پہ آسان کر دی راہ نجات
یہود ہوں یا نصاریٰ یا عبد لات و منات
حدیث پاک میں کلمات جامعات ملے
سبھی کو فوز و صداقت کے جام عام ملے
جہاں نے دہن مبارک سے وہ کلام سنا
خبردی عیسیٰ و موسیٰ نے وہ پیام سنا
وہ اس مقام پہ پہنچے کہ اس سے قبل کبھی
نہ جبرئیلؑ ہی پہنچے نہ کوئی اور نبیؐ
نظارے آنکھ نے دیکھے گواہی قلب نے دی
ہوا نہ آنکھ کو دھوکا وحی ہوئی جو ہوئی
انہیں کہ دم سے تمدن کو جان تازہ ملی
مٹائی آپ نے رہبانیت تواں بخشی
رکھا تھا ام خبائث انہوں نے خمر کا نام
جو عقل و ہوش اڑا دے وہ ہے شراب کا جام
انہیں کے دم سے ہمہ صادقاں درخشاں ہوئے
انہیں کے فیض سے سب راستاں ضوفشاں ہوئے

زِ تو مبرہن و روشن تقوم مرداں
زتو معین و محکم حقوق نسوانی
فتوت تو اُمتؔ را دہد فتات لقب
زشوکت تو موالی کنند سلطانی
تو عذر خواہ شوی بہر قوم از رحمٰن
زِسنگ چوں شکند قوم دُرّ دندانی

تو قاتلان عم و دخت را نمائی عفو
بپاس خاطر ایمانی و مسلمانی
پئے ہلاک جفا پیشگان رضا ندہی
کہ نسل شاں مگر آید بدین دیانی
زِ عدل و رحم تو صدبہرہ یافتند اعداء
بَحَرب ہا کہ نمودند جمع خذلانی
دو شاہد اند مرا خیبر و حنین کہ تو
دہی بہ جود ہرآں چہ بفتح بستانی
بزور و کوشش افواج ، فتح حاجت نیست
تراکہ فتح مبیں شد بلاغ قرانی
خدا یکے و پیامش بسوئے خلق یکے
تو خلق را بسوئے آں پیام می خوانی

ترجمہ

جہاں میں مردوں کو قوامیت عطا کر دی
حقوق نسواں معین حیات نو دے دی
کنیز و جاریہ سب کو لقب فتات ملا
ملی غلاموں کو شاہی در نجات کھلا
گرائے سنگ وہ موتی سے دانت توڑے گئے
حضور حق میں عذر خواہ قوم کے وہ ہوئے
اگر گرائیں وہ پتھر دعائیں ملتی تھیں
جفا و ستم کے بدلے وفائیں ملتی تھیں
وہ شان عفو کہ بیٹی کا خوں بہانہ لیا
برائے دین سلم قتل عم بخش دیا
وہ ظالموں کی ہلاکت پہ نہ ہوئے راضی
اگر نہیں وہ ، تو اولاد مسلماں ہوگی
عدو بھی ان کی عدالت سے فیض یاب ہوئے
مقابلے پہ اگر آگئے خراب ہوئے
وہ شان جود و سخاوت حنین و خیبر میں
فتح کیا تھا جو وہ بھی لٹایا آخر میں
بلاغ مصحف قرآں حصول فتح مبیں
ہے زور و قوت افواج ۔ فضل دین متین
خدا بھی ایک پیمبر بھی ایک اک پیغام
ملانا خلق کو خالق سے آپ کا تھا کام

تو باب سِلم کشائی بروئے دشمن ودوست
تو دوستی بدلِ دشمناں بہ پایانی
یتیمئ تو تسلّی است مر یتیمی را
کہ دل ز مہر پدر ہست عون ربّانی
تو عبد خواندہ شدی و رموز داں دانست
کہ برتر است عبودیت از سلیمانیؑ
تو آفتابی و از حمد سر بر آوردہ
تو ماہ و بر ملک مجد نور افشانی
فزوں تر از تو کسے را نہ حمد گفت جہاں
نہ برتر از تو کسے گفت حمد ربّانی
ترا محمدؐ و احمدؐ زمین خواند و زماں
حمید باشد و محمود ذات سبحانی
بما رؤوف و رحیمی خدا رؤوف و رحیم
وگرچہ سود بگویم سخن بنادانی
تو رحمتی و جہاں آفرین ما رحمٰن
ہزار شکر رسیدم بہ گنج پنہانی

ترجمہ

برائے دشمناں و دوستاں پیام سلم
سلامتی و عدل گستری و رحم و کرم
یتیموں کو یہ تسلّی کہ آپ بھی تھے یتیم
سلوک و شفقت پدری میں سب سے بڑھ کے رحیم
تھی عبدہ میں ہی شان آپ کی رفیع و بلند
بجائے جاہِ سلیماںؑ عبودیت تھی پسند
وہ آفتاب رسالت تھے حمد میں حماد
وہ ماہتاب فلک جملہ خوبیوں کے عماد
فزوں تر آپ سے اللہ کی حمد ہو نہ سکی
نہ برتر آپ سے نعت و مدح کسی کی ہوئی
زمیں پہ آپ محمدؐ فلک پہ احمد --- آپؐ
وہ ذات پاک ہے محمود جس کے حامد آپؐ
خدا رؤوف و رحیم آپ ہیں رؤوف و رحیم
یہاں مبالغہ ٹھہرا خلاف عقل --- سلیم
ہیں آپ رحمتؐ عالم خدا ہے خود رحمان
ہے شکر رحمت و رحمان میں ملی ہے امان

سخن زواجب و ممکن نہ از ادب باشد
طفیل تست ہمہ کارگاہ امکانی

زِ استعارہ و تشبیہ بس بلند استی
کہ بے مثالئ خود ہم بہ خویش می مانی

چہ خوش بشان تو صدیقؓ گفت و گوہر سفت
کہ کرد روئے تو بردعوی تو برہانی

مبلغان تو دادند ایں پیام بہ خلق
کہ نصحِ خلق بود لازم مسلمانی

مبشران تو دادند ایں نوید ہما
کہ کار دیں ہمہ تبشیر ہست و آسانی

طفیل تست کہ بعد از ہزار قرن مدید
بہ گوش عالمیان شد نوید ارزانی

کہ دین یافت تمام و کمال شد نعمت
گزید نوع بشر را رضائے دیّانی

صلوۃ بر تو خدا و فرشتگان خوانند
کجا ثنائے تو آید زِ انسی وجانی

ترجمہ

سخن نہ حد ادب سے بڑھے مرا یا رب
ترا کرم وہ ہیں امکاں کی آبرو یارب

ہے استعارہ و تشبیہ سے شان ان کی بلند
مثیل آقاؐ کوئی ہو سکا نہ بہرہ مند

چہ خوب حضرت صدیقؓ کا ہے قول جمیل
کہ روئے روشن و انور ہے راہ حق میں دلیل

پیام آپ کے اصحابؓ کا ہے سب کے لیے
کہ حکم دین کی تبلیغ کا ہے سب کے لیے

مبشرین کا پیغام ہے یہ نورانی
کہ دین حق ہے بشارت نویدِ آسانی

ہزاروں قرن سے تھے منتظر پیام آیا
طفیل آپ کے اللہ کا پیام آیا

تمام ہوگئی نعمت کمال دین ملا
رضائے حق ملی اسلام جیسا دین ملا

درود جن پہ فرشتوں کا ہو خدا کا ہو
ثنائے خواجہؐ کونین کیسے ممکن ہو

گزارش ایست الٰہی مرا بدرگاہت
امید ہست کہ از لطف رو نگر دانی

دمے کہ روح مجرّد شود ز پیکر خاک
دمے کہ مرگ نماید بدرد درمانی

دراں مغاک کہ تنگ است و تار چوں دلِ من
جمال او بہ نمائی چوں صبح نورانی

بہار تازہ بہ چشم فرشتگاں بخشی
مرا ز تنگی گور و سوال برہانی

سمیٔ فارسؓ صدقم عطا بہ فرمائی
یک از ہزار بہ من نیز صدق سلمانی

ترجمہ

الٰہی مری گذارش زراہ لطف عظیم
قبول کرنا دعائیں ہے تیری شان قدیم

وہ وقت روح مرے جسد خاک کو چھوڑے
وہ وقت موت کا پیغام جان ستان ملے

جمال آقاؐ سے میری قبر منور ہو
نسیم مشک فشاں سے لحد معطر ہو

سوال قبر سے یارب مجھے رہائی دے
بہار صبح درخشاں مجھے دکھائی دے

بہ صدق حضرت سلمانؓ مجھ کو صدق ملے
ہزار درجے ہوں انکے تو مجھ کو ایک ہی دے

عرض مترجم۔حنیفہ انجم قاضی

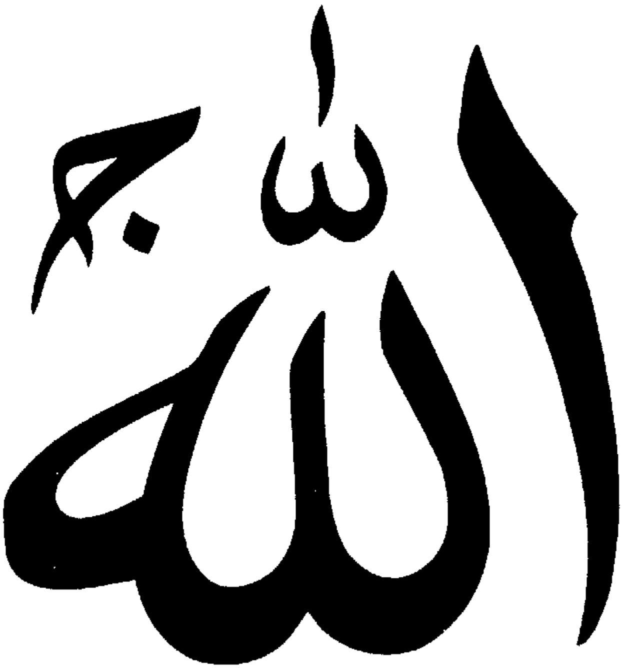
ہے التجا یہی یارب حقیر انجمؔ کی
ہو صالحین کی صف میں شمولیت اس کی

مدح خوانوں میں خواجہؒ کے اس کو شامل کر
الٰہی فضل وعنایت میں اس کو داخل کر

سبحان الله و بحمده سبحان الله العظيم

صل الله علی حبيبه سيد نا و مولانا

محمدٍو آلهٖ و اصحابه وازواجه بقدر حسنه وجمالهٖ و كمالهٖ و بارك و سلم


الله جل

اسماء الحسنیٰ

زبیدہ شہاب قاضی

اللہ

ہے اسم ذات اللہ ، واحد ہے شان تیری
اَسما حسین سارے ، خالق صفات تیری
وحدانیت کے جلوے ، ارض و سما میں بکھرے
ہیں سرنہادہ ذرّے ، معبود تیرے آگے

الرحمٰن۔الرحیم

تو ہی رحیم و رحمٰں ، تو ہی غفور و غافر
رحمت تری الٰہی ،اک بیکراں سمندر
جو کوئی غوطہ زن ہو ، وہ فیضیاب یارب
لطف و کرم سے تیرے ہو باریاب یارب

الملک

ملک المجید تو ہے ، اَعلیٰ ہے شان تیری
تو ہی بزرگ و برتر ، توبادشاہ عالی

القدوس

قدوس ذات تیری ، ہرنقص سے بری ہے
ہر رنگ میں یگانہ سبحان و پاک تو ہے
جن و ملک و انساں ، طائر ،چرند سارے
ارض و سما کے اندر مصروف حمد سارے

السلام

دونوں جہاں میں یارب تجھ سے سلامتی ہے
جنت میں یہ تخاطب اہل بہشت سے ہے
تم پر سلامتی ہو اے پاسبان جنت
فردوس کی بہاریں ، ہر آن میری رحمت
امن و اماں سدا کا رنج و حزن سے رخصت
اس دار آخرت میں ابدی حیات و نعمت

المومن

مومن تو ہی ہے یا رب ، ایمان یقین تجھ سے
تو سب کا ہے محافظ ،تیری اَماں میں سارے

المُھیمن

تیری صِفت مھیمن ، عالم پناہ میں سارا
تیری پناہ پختہ ، سچا ترا سہارا

العزیز

برحق عزیز تو ہی ، غالب ہے عالمیں پر
تیرا ہی حکم جاری ، ارض و سما کے اُوپر

الجبار۔المتکبر

تخلیق کل جہاں کی دیتی ہے یہ گواہی
جبّار کل جہاں کے زیبا ہے کبریائی

الخالق

خالق علیم تو ہی ، جن و بشر مَلک کا
اور مہر و ماہ و انجم ، کوہ و جبل بحر کا
طائر ، چرند و ماہی ، حشرات ارض سب کا
تو خالق حقیقی ، پھولوں ، پھلوں شجر کا

الباری

صورت گری کے موجد ، تری ذات ہے یگانہ
صناعی تیری کامل، تخلیق دلبرانہ

المصوّر

تخلیق کے مراحل ، روشن ہیں اور منور
تصویر خوب و احسن ، تو ہی ہے المصور

القہّار

قہار تو ہے یکتا ، ہیبت محیط عالم
تو قادر و اَحد ہے ، قدرت تیری ہے دائم

الغفار

جرم و خطا کو بخشے ، اثم و گناہ کو بخشے
غافر، غفور یا رب ، شانِ غفوریت سے

(۱) لَقَدْ خَلَقْنَا الاِنسَانَ فِي أَحسَنِ تَقوِيم O سورة التين

الوھاب

ثمرات ونعمتیں ہیں، کیا کیا تیرے جہاں میں
آرام وراحتیں بھی کیا کیا ہیں کن فکاں میں
تیری عطا وبخشش ، وھاب نعمتوں کے
مومن ہو یاکہ فاجر بے امتیاز بخشے

الرزاق

روزی رساں تو ہی ہے ، رازق رزاق تو ہی
کیڑے کو رزق بخشے ، پتھر کے بیچ تو ہی

الفتاح

فتاح باب رحمت ، کل عالمیں کے اُوپر
رحمت ہے عام تیری ، مومن ہو یا کہ کافر

العلیم

قطرہ ہو یا سمندر ، ذرہ ہو یاکہ صحرا
تیرے علم میں ہر شے عالم علیم سب کا

القابض

مالک ہے عالمیں کا قبضہ میں تیرے ہر شے
وافر ملے کسی کو ، آسائشوں میں کھیلے
ناپا تلا کسی کو آزمائشوں کو جھیلے
تیرے حکم کے تابع دنیا کے سب جھمیلے

الباسط

اے نعمتوں کے مالکِ ، بسط وقدر پہ قادر
بے امتیاز بخشے ، مومن ہو یا کہ کافر

الخافض

جسے چاہے پست کردے،خافض تری صفت ہے
عالی مقام، بخشے رافع تری صفت ہے

المعز

ترے حکم سے ہے عزت،تو ہی المعِزّ یارب
"نرفع درجاتٍ" ، تیرا کلام یا رب

المذل

کوئی پستیوں میں بھٹکا،کوئی ذلتوں سے رسوا
کوئی ابتلا سے گذرا ، تو ہی مُذِل یا رب

السمیع

گہرائیوں میں آہٹ،سینوں میں دل کی دھڑکن
ذہنوں کی سوچ سن لے، تو ہی سمیع ہے یارب

البصیر

ہو روز روشن چاہے ، یا تیرگیء شب ہو
ہر شے تری نظر میں تو البصیر یا رب

الحکم۔العدل

کافر ہو یا کہ مومن تو الحکم جہاں کا
انصاف تیری سنت تو عدل ہے جہاں کا

اللطیف

تیرے کرم کی بارش ہر ایک کا نصیبہ
لطف و کرم جہاں پر اے اللطیف تیرا

الخبیر

گہرائیوں میں دانہ یا رفعتوں میں قطرہ
یابِس رطب ہو ورقہ تو اَلخبیر سب کا

العلیم

ہے حلم و بردباری ، اور عفو و سرفرازی
تری صفات اعلیٰ شایان شان تیری

العظیم

ارض و سماء کی ہر شئے قدرت کی دے گواہی
تری عظمتوں کی خالق منہ بولتی نشانی
تخلیق کن فکاں کی ، مظہر ہے عظمتوں کی
تو العظیم یا رب ، نہیں کوئی تیرا ثانی

(۱) سورۃ الانعام

الغفور

عیبوں کی پردہ پوشی، تیرا عظیم غفراں
صدقے غفوریت کے، ذرے عمل کے تاباں
مرے عمل ہوں مشرف، تیرا ہی لطف و احساں
غافر غفور یا رب، تو ہی رحیم و رحماں

الشکور

نکتوں کو تو نوازے، ہر اثم دھو بھی ڈالے
تو قدردان اعلیٰ، تو الشکور یا رب

العلی

تیری بلندیوں تک کس کی ہوئی رسائی
تو العلی ہے یا رب تیری ہی کبریائی

الکبیر

ارض و سما کی ہر شے دیتی ہے یہ شہادت
تو الکبیر یا رب، تو لائق عبادت

الحفیظ

مشکل نہیں ہے تجھ پر حفظان کل جہاں کی
حفظ و اماں میں ہر شے اے الحفیظ تیری

المقیت

اور چار دن میں روزی رکھ دی زمیں کے اندر
اے المقیت مالک، روزی پہ تو ہی قادر

الحسیب

ہیں حسبی ، حَسبُنا تسکین جاں و ظیفے
تو کافی و مکمل ، اے الحسیب سب کے
ہر سانس ہر قدم کا تو ہی حساب رکھے
ہر سانس ہر قدم کو تو ہی کفیل یارب

الجلیل

ارض و سما میں سارے رعب و جلال تیرا
انوار و قدر توں کا ہر سمت ہے بسیرا

الکریم

جود و کرم سے تیرے ہر کس نشاط پائے
احسان و لطف تیرا ، ابر کرم کے سائے

الرقیب

نگرانیوں میں تیری ہر شے حیات پائے
تو الکریم آقا، تو الرقیب یا رب

المجیب

اُدعونی اَستَجِیبُ محبوب تجھ کو یا رب
مانگو مراد پاؤ مژدہ عظیم تیرا
دامن کے اس کو بھردوں ہے کوئی لینے والا
اُجیبُ دعوۃ الداعِ، فرماں مجیب تیرا

الواسع

واسع رحیم تو ہے رحمت تری وسیع ہے
واسع غفور تو ہے بخشش تری وسیع ہے

الحکیم

ارض و سما کی ہر شے دیتی ہے یہ شہادت
تو حکمتوں میں کامل تو لائقِ عبادت

الودود

تو ہی ودود و رحماں ، ربّ رحیم تو ہی
ماں باپ سے زیادہ بندوں پہ شفقتیں بھی
ستر گنا زیادہ یا رب ہے شان کس کی
اے الودود تیری رَبّ غفور تیری

المجید

بیّن نشانیاں ہیں ارض و سما کے اندر
تو المجید و قادر ، تو ہی بزرگ و برتر

الباعث

آدم سے لے کر اب تک ہیں بے حساب بندے
دور فنا سے گزرے برزخ میں جا کے ٹھہرے
اِک نفخ صور پر سب ، حاضر ہیں رو برو ہیں
باعث تیرے حکم سے تابع ہیں سرنگوں ہیں

الشہید

پتہ ہو یا کہ ذرہ ، کوکب ہو یا ستارہ
ارض و سما کے مابین شاہد شہید سب کا

الحق

روز ازل سے تو ہے برحق ہے ذات تیری
تو خالقِ حقیقی ، تیرا وجود ابدی

الوکیل

بگڑی کو تو بنائے ، قسمت کو تو سنوارے
تو کار ساز مالک ، مظلوم کے سہارے

القوی

کل طاقتوں کے حامل ،قوت سے بھی قوی تر
تو القوی ہے آقا ، تو ہی قدیر و قادر

المتین

ضبط ونظم متانت ، تیری صفات اعلیٰ
ترا حلم ہے مکمل ، اے المتین مولیٰ

الولی

تیری مدد سے مالک ، تیری نصر سے خالق
دنیا رواں دواں ہے ، تو الولی ہے یارب

الحمید

تیری ذات سے مرصع تیری حمد کے ترانے
تیری حمد میری رفعت کوئی جانے یا نہ جانے

المحصی

پتے ہوں یا شجر ہوں، قطرے ہوں یا سمندر
طائر، بہیم ، حیواں ،جن و ملک ہوں انساں
حشرات ارض سارے ، سیارے اور ستارے
تیرے شمار میں ہیں تیرے ہی زیر فرماں

المبدی۔المعید

ہر شے کی ابتدا تو ، ہر شے کی انتہا تو
روز حشر کو یا رب ، بخشے حیات نو تو
ہو پہلی بار چاہے ، بار دگر ہو چاہے
اَلْمُبْدِیْ وَ مُعِیْدُ ہر دو صفات والے

المحی۔الممیت

المحی تو ہے یا رب ، تو ہی حیات بخشے
تو الممیت قادر ، تو ہی وفات دیوے

الحیّ۔القیوم

موجود تو ازل سے ، ہے تا ابد تو قائم
مخلوق کو تو بخشے ، صحت و حیات دائم
زندہ سے مردہ پیدا ، مردہ سے زندہ پیدا
دانے سے شجر پیدا ، حیی و قیوم کیسا

الواجد۔الماجد

واجد صفت ہے تیری ، اے بادشاہ عالم
ماجد صفت ہے تیری تو ہی بزرگ و برتر

الواحد۔الاحد

تو ہی اِلہِ واحد ، تو ہی اَحد و یکتا
تیری ہی سب خدائی ، تو بادشاہ اعلیٰ

الصمد

تو القدیم یا رب ، معبود سب کے یا رب
حاجت روائے عالم ،تسکین تجھ سے حاصل
تجھ سے مرادیں مانگیں ،خود بے نیاز یا رب
حقا تو الصمد ہے ، اور بے مثال یا رب

القادر۔المقتدر

قادر تو ہی ہے یارب ، کل اختیار تیرا
المقتدر صفت بھی اِسمِ عظیم تیرا

المقدّم

حقا تو المقدم ، جسے چاہے ہو معظم
کوئی نیکیوں میں سبقت کوئی نعمتوں میں افضل

المؤخر

ترے حکم سے موخر ، ترے لطف سے مقدم
ترے فیصلے تدبر ، تیری مصلحات محکم

الظاہر

ہر شے میں تیری ندرت ، صفتِ عظیم ظاہر
ہر شے میں تیری قدرت ، اصغر ہو یا کہ اکبر

الباطن

پوشیدہ ذات تیری روشن نشانیوں میں
تصویریں بولتی ہیں، خالق نہاں ہے ان میں

الاول۔الاخر

تو ازل سے جلوہ فرما ، تری تا ابد سیادت
اول سے بھی ہے اول ، آخر تری قیادت

الوالی المتعال

اے کار ساز آقا، والی نصیر مولیٰ
اے ذوالجلال مالک ، اعلیٰ سے بھی ہے اعلیٰ

البرّ

احسان و لطف تیرا سایہ فگن ہر اک پر
صفت عظیم تیری ہے الرحیم و البر

التوّاب

توبہ قبول کرکے جرم و خطا کو بخشے
صفت تواب تیری اثم و گنہ کو بخشے

المنتقم

بندوں پہ رحم کرنا مالک تیری عطا ہے
گرانتقام لے لے ، خالق تجھے روا ہے

العفو

عیبوں پہ پردہ پوشی اور عفو و درگزر بھی
جملہ صفات اعلیٰ ، اے الرؤف تیری

الرؤف

بندوں پہ رحم کرنا، عاصی پہ کرم کرنا
ہے الرؤف تیرا ، احسن تریں قرینہ

مالک الملک

مالک تو ہی ہے یا رب کل کائنات تیری
تو بادشاہ اعلیٰ ، جسے چاہے بخشے شاہی

ذوالجلال والاکرام

ارض و سما کے اُوپر تیرا جلال چھایا
اکرام و نعمتوں کا ہر اک نے فیض پایا
تیرا جلال واضح ، تیرا کرم نمایاں
اے ذوالجلال مالک ، اے الکریم آقا

المقسط

ملحد ہو یا کہ مشرک تیرا عدل مثالی
مقسط تری صفت ہے انصاف تیرا عالی

الجامع

محشر کے روز یا رب کیا ازدحام ہو گا
حشر و نشور ہو گا ، اجر و حساب ہو گا
اعمال جب تلیں گے انجام کار ہو گا
الجامع تو ہی یا رب ، اے کن فکاں کے آقا

الغنی

تجھ سے مرادیں مانگیں ، تجھ سے مرادیں پائیں
خود ماورائے حاجت ، تو الغنی ہے یا رب

المغنی

تری نعمتوں کی بارش ہر سمت جاری ساری
مسکیں ہوئے مکرم المغنی تو ہی معطی

المعطی

تری بخشش و عطا سے ہوئے اِنس و جاں فروزاں
المعطی ذات تیری ہر کس پہ لطف و احساں

المانع

اثم و گنہ کا مانع ، جور و ظلم کا مانع
ظالم کا ہاتھ روکے ، جابر کا جبر روکے
کبھی رحمتیں موخر ، کبھی نعمتیں معطل
مؤمن کا یہ یقیں ہے تری حکمتیں مکمل

النافع

النافع توہی یا رب جسے چاہے کامراں ہو
نفع رساں تو ہی ہے، جسے چاہے شادماں ہو

الضّار

الضار توہی مولیٰ ، نقصان پہ ہے قادر
جسے تو ہی ردّ کردے نہ ہوں نعمتیں میسر

النور

ہر شئے میں اس جہاں کی تیرا ہی نور مظہر
یہ مہر، ماہ و انجم ، ترے نور سے منور
کیانور عظمتوں کا ، کیا نور قدرتوں کا
کیا نور حکمتوں کا ، کیا نور ندرتوں کا
النور اسم ہی سے روشن چراغ سارے
تیرے حُسن کے پرتو انوار کے یہ دھارے

الھادی

بھٹکوں کو رہ دکھائے اندھوں کو نور بخشے
یہ الکتاب قرآں دل میں جگہ بنائے
رشد و ہدیٰ کی راہیں ہر ایک کو بتائے
برحق تری ہدایت شایانِ شان تیرے

البدیع

بے مثل تیری صنعت ، تخلیق تیری کامل
صورت گری جہاں میں ، نادر ہے اور مکمل
دریافت جو بھی کچھ ہو، تیرے اذن سے یا رب
خلاقیوں کے موجد ، تو البدیع ہے یا رب

الباقی

فانی یہاں کی ہر شے ، کل کائنات فانی
باقی جو ذات ہو گی ، وہ ذوالجلال تیری

الوارث

اسباب اس جہاں کے ، آسائشیں یہاں کی
انبار دولتوں کے اور راحتیں ، یہاں کی
وارث تو ہی تو ہو گا، جس روز ختم ہوں گی
تیرے لیے ہے یارب میراث کل جہاں کی

الرشید

تیری ہدایتوں سے فکر و نظر ہوں بینا
رشد وہدیٰ کا مصدر ، تو الرشید یا رب

الحلیم

● ترا حلم ناز پرور، تیرے ضبط پہ میں قرباں
ترے صبر پر میں نازاں، تیرا حلم ہم پہ احساں

الصبور

بندوں کی جرأتوں پر اور ان کی لغزشوں پر
لاریب یہ حقیقت، تو ہے الصبور یا رب

کلام: زبیدہ شہاب قاضیؒ
(نبیرہ) قاضی محمد سلیمان سلمانؒ منصور پوری

عطیہ کلام: ڈاکٹر سارہ شہاب، دختر زبیدہ شہاب مرحومہ
رابطہ: پاکستان 0322-4055641
یو۔اے۔ای 00971-50-7645171
Email: sarashahab@hotmail.com

سلام بہ حضور سیّد کونین صلی اللہ علیہ وسلم

حنیف انجم قاضی

سیّدی یا نبی سلامٌ علیک
ہاشمی ۔ عربی سلامٌ علیک
سید المرسلین سلامٌ علیک
رحمت للعالمین سلامٌ علیک
افضل المتقیں سلامٌ علیک
شافع المذنبیں سلامٌ علیک
خاتم الانبیا سلامٌ علیک
قُرّۃِ اَعیُنِنا سلامٌ علیک
یا حبیب اِلٰہ سلامٌ علیک
سیّدا یا شہا سلامٌ علیک
صادق یا امین سلامٌ علیک
یا رؤوف الرحیم سلامٌ علیک
شافع انس و جان سلامٌ علیک
نافع اُمّتاں سلامٌ علیک
شاہِ عرب و عجم سلامٌ علیک
اے سحابِ کرم سلامٌ علیک
بحر جود و سخا سلامٌ علیک
روح و جاں سب فدا سلامٌ علیک

السلام علیک اَیُّھا النبیُّ ورحمتہ اللہ وَبرکاتہ ۔ وَ علیٰ آلہ وَ اصحابہ و ازواجہ اجمعین ۔ آمین

کیف وکم

حنیفہ انجم قاضی

میرے زماں و مکان کو سراب ٹھہرایا   یہ لامکاں کے مکیں نے حجاب ٹھہرایا
سرشک خوں ہوئے موتی گرے جو مژگاں سے   جگر جلا تو انہوں نے کباب ٹھہرایا

گناہ رسم وفا ہو گئی زمانے میں   جفا میں جور و ستم کو ثواب ٹھہرایا
''اَلَست'' کہہ کے مرے جان و دل کو چھین لیا   ادائے '' قالو بلیٰ '' میں جواب ٹھہرایا

کرم ہوا تو فرشتوں پہ فوقیت دے دی   ملا جو عمر کا وقفہ حباب ٹھہرایا
دیا وہ بار امانت جو عرش سے نہ اُٹھا   مرا یہ قلب ہی عزت مآب ٹھہرایا

یہ کس نے نظر محبت سے مجھ کو دیکھ لیا   ظلوم و جہل کا مجھ پر نقاب ٹھہرایا
جنونِ عشق میں ناکام نامراد نہیں   جو کامیاب نہ تھا کامیاب ٹھہرایا

وہ آفتابؐ رسالت کبھی حرا میں چھپا   دو ٹکڑے کر کے کبھی ماہتاب ٹھہرایا

ہو کیف و کم کی تمنا میں سرگراں انجم
زیاں و سود کو روز حساب ٹھہرایا

امریکن نومسلم کمیلہ بدر کے سوالات۔ مسلم امہ سے

ترجمہ از انگریزی:۔ حنیفہ انجم قاضی

محمدؐ سرور عالم تمھارے رہبرِ اعظم؟
تمھارے گھر میں آجائیں اچانک شاہ دو عالم؟
تعجب اور حیرت بھرِ استقبال کیا ہو گی؟
تمھاری بدحواسی وقت استقبال کیا ہو گی؟
انھیں ٹھہرائیں گے کیا بیش قیمت خواب گاہوں میں؟
بٹھائیں گے انھیں صوفوں پہ اور آرام گاہوں میں؟
کھلائیں گے انھیں اعلیٰ غذائیں رکھ کے میزوں پر؟
پلائیں گے انھیں مشروب اعلیٰ بلکہ اعلیٰ تر ؟
اگر تشریف لائیں آپ کے گھر پر ہمہ حیرت؟
کھلے دل سے کہیں اھلاً وسہلاً یہ بھی ہے ہمت؟
یہ ہو گی فکر ان عریاں لباسوں کو بدل ڈالیں؟
بجائے میگزینوں کے یہاں قرآن کو رکھ دیں؟
یہ موِوی اور ٹی وی کو تو چاہو گے چھپا ڈالو؟
یہ عریاں فلمیں ان کے سامنے تم دیکھ سکتے ہو؟
کہیں پیارے نبیؐ نہ دیکھ پائیں یہ تو چاہو گے؟
تو بھاگو گے بہ عجلت اور سوِچ کو آف کردو گے؟
تو کیا تم ریڈیو کو بند کر دو گے قبل اس کے؟
دعا دل میں کرو گے، گانے کی آواز نہ پہنچے؟

یہ خواہش ہوگی گھبراہٹ کہیں ظاہر نہ ہو جائے؟
وہ فقرہ بدحواسی کا۔ کہیں ان پر نہ کھل جائے؟

یہ دنیاوی میوزک ڈیک وغیرہ کو چھپاؤ گے؟
کتب زیر زمیں کو ۔ فحش لٹریچر کو پھینکو گے؟

اچانک ہی اگر پیارے نبیؐ تشریف لے آئیں؟
تو فوراً اپنے کمرے میں انہیں لا کر بٹھا لو گے؟

تعجب ہے اگر پیارے نبیؐ دو چار دن ٹھہریں؟
تو تم اپنے گھروں میں میزبانی کر بھی سکتے ہو؟

اگر پیارے نبیؐ آ کر تمہارے گھر ٹھہر جائیں؟
تو کیا یہ زندگی کے روز و شب تبدیل ہو جائیں؟

تمہاری زندگانی کے مشاغل کیا وہی ہوں گے؟
تمہارے کھانے پینے کے طریقے کیا وہی ہوں گے؟

تمہیں پانچوں نمازوں کا ادا کرنا سہل ہو گا؟
بغیر اظہار خفگی کے صبح اُٹھنا سہل ہو گا؟

کیا ملواؤ گے گھرے دوستوں کو بھی پیمبرؐ سے؟
وہی باتیں کرو گے اپنے آقاؐ اپنے رہبرؐ سے؟

یہ چاہو گے پیمبرؐ ساتھ ہی رہتے رہے ہوتے؟
یا اپنے دوستوں سے فاصلہ ہی رکھنا چاہو گے؟

گئے پیارے نبیؐ واپس اب احساسات کیا ہوں گے؟
تمہیں غم ہو گا پچھتاؤ گے، وہ جذبات کیا ہوں گے؟

اک افسردہ دلی ہو گی عجب اک بے کلی ہو گی؟
یا ٹھنڈی آہ بھر کے، پرسکوں آسودگی ہو گی؟

I WONDER

If Prophet Muhammad visietd you, Just for a day or two,
If he unexpectedly, I wonder what you would do?
Oh, I know you'd give your nicest room, to such an honored guest,
And all the food you'd serve him, you're glad to have him there,
That serving him in your home, is joy beyond compare.

But... When you see him coming, would you meet him at the door?
With yours arms outstretched in welcome, to your visitor?
Or... would you have to change your clothes, before you let him in?
Or hide some magazines and put the Qur'an where they have been?
Would you still watch X-rated movies, on your TV set?
Or would you rush to switch it off, before he gets upset?
Would you turn off the radio, and hope he hadn't heard?
And wish you; hadn't uttered, that last loud, hasty word?
Would you hide your worldly music, and instead take Hadith book out?
Could you let him walk right in, or would you rush about?

AND, I wonder.. If the Prophet spent, a day or two with you,
Would you go right on doing everything you always do?
Would you go right on saying the things you always say?
Would life for you continue, as it does from day to day?
Would your family conversation, keep up its usual pace?
And would you find it hard each meal, to say a table grace?
Would you keep up each and every prayer, or would you put on a frown?

Would you always jump up early, for the prayer at dawn
Would you sing the song you always sing and read the books you always read?
And let him know the things on what your mind and spirit feed?
Would you take the Prophet with you, everywhere you plan to go?
Or, would you change your plans, just for a day or so?

Would you be glad to have him together with your closest friends?
Or, would you hope they'd stay away until his visit ends?
Would you be glad to have him stay, forever on and on?
Or, would you sigh a great relief, when he at last was gone?
It might be interesting to know, the things that you would do.
If Prophet Muhammad, in person, came to spend time with you.

Kamilah Badar(Contributed by Islamic Culture, Mauritius.)

ندائے سلماںؔ

اے آسماں کے تارو! نام خدا پکارو　　دشت و جبل پکارو ارض و سما پکارو
جنگل کے سب پکھیرو تمحید گا رہے ہیں　　خاموش کیوں ہو اِنسان جاگو صدا پکارو

جودل میں بس رہا ہے جاری ہو وہ زباں پر　　پیارے کا نام پیارا ہے دل کشا پکارو
ذکرِ خدا سے غفلت ہے مانع محبت　　لیل و نہار بولو، صبح و مسا پکارو

ہونا پڑے گا چپ ہی زیرِ زمین جا کر　　منہ میں زباں ہو رکھتے، نامِ خدا پکارو
آئے ہو اس جہاں میں دینے کو تم گواہی　　اے اہلِ صدق بولو اہلِ صفا پکارو

تقدیرِ کبریا کی، تقدیس ذوالمنن کی　　وقتِ کرب پکارو، حینِ دعا پکارو
اب زاویوں کو چھوڑ و خلوت کدوں کو توڑو　　ہاں چار سو میں حق کو بہرِ رضا پکارو

دعوت نجات کی ہے اسلام سب کو دیتا　　یہ بے حساب بولو بے انتہا پکارو
کانوں میں سب کے ڈالو پیغام مصطفےٰؐ کا　　اَفراد کو سناؤ، قوموں کو جا پکارو

جو یک دل و زباں ہیں وہ کیوں ہوں مُہر بردل
سلماںِؔ خستہ دل کی سُن لو صدا پکارو

سلماںؔ منصور پوریؒ

مناجات

زبیدہ شہاب قاضی

تو ازل سے بامِ عروج پر
میں تو لمحہ لمحہ زوال ہوں
گو ظلوم ہوں میں جہول ہوں
میں ترا ہی حُسنِ خیال ہوں
تو بلندیوں سے بلند تر
میں تو پستیوں پہ نہال ہوں
تیری نعمتیں بھی ہیں بے حساب
میں بدستِ جام سفال ہوں
نہیں ضعف جس کو وہ تیری ذات
میں قدم قدم پہ نڈھال ہوں
میرے نقش گرا میرے سارے رنگ
تیری قدرتوں کا کمال ہوں
میری کوششیں، میری کاوشیں
میں تو بے بسی کی مثال ہوں
میں فقیر تیرے ہی در کی ہوں
ہمہ وقت دستِ سوال ہوں
میں تو اشرف المخلوق ہوں
میں تو نورِ صبح جمال ہوں
مرے ربّ! میں تیرے قرب کی
بنی آرزوئے وصال ہوں
تیرے کُن فکان کے درمیاں
میں عیارِ حُسنِ کمال ہوں
میرے الرّحیم! نہ دور کر
گو کہ لغزشوں میں فعال ہوں

''تحقیق ہم نے انسان کو بہترین انداز سے پیدا کیا'' (القرآن)

عطیہ کلام: ڈاکٹر عامرہ شہاب ۔ بنت زبیدہ شہاب قاضی

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری کا مختصر سلسلۂ نسب یہ ہے: محمد سلیمان بن احمد شاہ بن باقی باللہ بن معز الدین۔۔۔!

قاضی صاحب کے پڑدادا قاضی معز الدین کا اصل وطن موجودہ جغرافیائی اعتبار سے ہندوستان کے ضلع فرید کوٹ کا ایک گاؤں ''بڈھیمال'' تھا۔ وہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی کے حلقہ عقیدت سے تعلق رکھتے تھے۔ شاہ صاحب نے ان کو منصور پور جانے اور اسے مرکز بنا کر اس علاقے میں تبلیغ دین کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہاں آ کر وہ تبلیغ میں مشغول ہو گئے۔ ان کے بیٹے قاضی باقی باللہ نے بھی باپ کے ساتھ اللہ کے دین کی نشر واشاعت کا سلسلہ جاری رکھا۔

تقسیم ہند سے قبل منصور پور، ریاست پٹیالہ میں بھٹنڈہ انبالہ ریلوے لائن پر پٹیالہ سے ۲۳ میل کے فاصلے پر تھا۔ قاضی صاحب کے والد قاضی احمد شاہ نہایت صالح اور متدین بزرگ تھے۔ انھوں نے دو حج کیے۔ اس زمانے میں حج کرنا بہت مشکل تھا۔ پہلا حج ۱۸۹۶ء میں کیا، دوسرا ۱۹۰۷ء میں۔ ریاست پٹیالہ کے محکمۂ مال میں ایک افسر کی حیثیت سے انھوں نے ملازمت کی۔ ۱۹ فروری ۱۹۱۰ء کو پٹیالہ میں فوت ہوئے۔

قاضی محمد سلیمان ۱۸۶۷ء (۱۲۸۴ھ) کو منصور پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدا میں اپنے والد قاضی احمد شاہ سے تعلیم حاصل کی۔ پھر اس نواح کے ایک عالم دین مولانا عبدالعزیز ساکن کوم (ضلع لدھیانہ) سے تعلق شاگردی پیدا کیا اور ان سے خوب مستفید ہوئے۔ فارسی کی تعلیم مہندرا کالج پٹیالہ کے فارسی کے پروفیسر منشی مکھن لال (کائستھ) سے حاصل کی۔ وہ آتش یا ناسخ کے شاگرد تھے۔ ۱۸۸۴ء میں قاضی صاحب نے مہندرا کالج پٹیالہ سے منشی فاضل کا امتحان دیا اور پنجاب یونیورسٹی میں اوّل آئے۔ اس وقت وہ سترہ سال کے تھے۔ اس زمانے میں فاضل فارسی کو منشی فاضل کہا جاتا تھا۔ ساڑھے سترہ سال کی عمر میں وہ ریاست پٹیالہ کے محکمۂ تعلیم میں ملازم ہوئے۔ پھر اللہ نے ان کے سامنے ترقی کے دروازے کھول دیے اور کچھ عرصے کے بعد ریاست

کے سیشن جج بنا دیے گئے۔ ۱۹۲۴ء میں پنشن پائی۔ لیکن اس کے بعد بھی والیٔ ریاست نے ان کو ریاستی معاملات سے الگ نہیں ہونے دیا۔ بعض اہم امور ان کے سپرد رہے۔

اللہ تعالیٰ نے قاضی صاحب کو بڑی قابلیت اور شہرت سے نوازا۔ تصنیف وتالیف، ترجمہ و تحقیق اور وعظ وتقریر میں وہ یگانہ حیثیت رکھتے تھے۔ برصغیر کے تمام علمی حلقوں میں ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ انھوں نے بیس اکیس کتابیں تصنیف کیں، جن میں ان کی تصنیف ''رحمۃ للعالمین'' کو بے حد قبولیت حاصل ہوئی۔ یہ کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے دو ترجمے عربی میں ہو چکے ہیں۔

انگریزی زبان میں بھی تین تراجم شائع ہو چکے ہیں۔ ایک ترجمہ دینی کتب خانہ اردو بازار، دہلی کی طرف سے شائع ہوا۔ دوسرا ترجمہ شیخ برکت علی ناشران کتب لاہور نے ایک عیسائی نومسلم عالم اے آر لوتھر سے کرا کے شائع کیا۔ مگر دونوں ترجمے اہل علم میں پذیرائی نہیں حاصل کر سکے۔

دہلی والے ترجمے کی زبان ناقص ہے اور لاہور والے ترجمے میں تلخیص بہت کی گئی ہے۔

تقسیم ملک سے قبل ایک اعلیٰ علمی معیار کا ترجمہ مرحوم کے فرزند قاضی عبدالعزیز صاحب نے کیا تھا جو زبان وانداز کی تمام خوبیوں سے آراستہ تھا۔ وہ ترجمہ ۱۹۵۹ء سے ۱۹۶۱ء تک روزنامہ پاکستان ٹائمز (لاہور) میں چھپتا رہا۔ پھر اس ترجمے کی بڑی محنت سے ادارت قاضی عبدالعزیز کے بڑے صاحب زادے جناب قاضی عبدالباقی قدسی نے کی۔ یہ ترجمہ بحمداللہ شائع ہو گیا ہے۔

ہمارے دوست ڈاکٹر مجیب الرحمٰن بنگالی نے جو امریکہ میں مقیم ہیں، رحمۃ للعالمین کا بنگلہ زبان میں ترجمہ کر دیا ہے۔

لیکن یہاں ہم قاضی صاحب کی کتاب ''الجمال والکمال'' کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو سورہ یوسف کی تفسیر ہے۔

یہ تفسیر انھوں نے اس وقت تحریر فرمائی تھی جب وہ پہلی دفعہ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے تھے اور کم وبیش پونے تین مہینے مکہ مکرمہ میں اقامت گزیں رہے تھے۔ وہ کتاب کے شروع میں فرماتے ہیں کہ تفسیر سورۂ یوسف لکھنے کا مدت سے شوق تھا۔ مکہ مکرمہ پہنچا تو یہ شوق زیادہ بڑھ گیا اور خیال آیا کہ اسی بلد الامین میں کچھ لکھ لیا جائے، جہاں اس سورت کا نزول ہوا تھا۔

قاضی صاحب ۵/ مئی ۱۹۲۱ء کو پٹیالہ سے روانہ ہو کر دہلی میں قیام کرتے ہوئے بمبئی پہنچے۔ وہاں سے ۱۷/ مئی کو "جدہ جہاز" پر سوار ہوئے اور ۳/ جون کی شام کو بندرگاہ جدہ میں اترے۔ ان دنوں آمدورفت کا ذریعہ صرف اونٹ تھے۔ آج کل کی طرح کاریں' موٹریں اور بسیں نہ تھیں۔ وہ جہاز سے اترتے ہی مکہ مکرمہ کو روانہ ہو گئے۔ ایک منزل جدہ میں کی اور ۵/ جون ۱۹۲۱ء (۲۷/ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ) کو سحری کے وقت مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ پھر ۲۳/ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ (۲۸/ اگست ۱۹۲۱ء) تک وہیں مقیم رہے۔

ظاہر ہے اس اثنا میں انھوں نے عمرے بھی کیے' حج بھی کیا' نوافل و عبادات میں بھی وقت صرف کیا ہوگا' لوگوں سے ملاقاتیں بھی کی ہوں گی' رفقائے سفر سے بھی گفتگو کا سلسلہ جاری رہا ہوگا' مکہ مکرمہ کے اندر اور باہر کے خاص مقامات بھی دیکھے جن کی تفصیل ان کے سفرنامے میں مرقوم ہے۔

ان مصروفیاتِ گوناگوں کے باوجود انھوں نے ۱۷/ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ (۲۲/ اگست ۱۹۲۱ء) کو تفسیر مکمل کر لی تھی۔ خاتمۂ تفسیر کے دس بارہ صفحے البتہ واپسی کے وقت جہاز میں لکھے اور آخر کے تیرہ چودہ صفحات میں ان مشاہیر کے مختصر حالات تحریر فرمائے' جن کا ذکر تفسیر میں آیا ہے۔

اب اس تفسیر کے چند اہم نکات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ فقہی' تاریخی اور لغوی اعتبار سے تفسیر "الجمال والکمال" بہت سی باتوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے مثلاً: مصر کا ذکر آیا ہے تو وہ تمام معلومات بیان فرما دی ہیں جو مصر کے متعلق انھیں مہیا ہو سکیں اور جن کا بیان کرنا ان کے نزدیک ضروری تھا۔

۲۔ حضرت یوسف علیہ السلام پر جہاں تہمت والزام کا واقعہ مذکور ہے' وہاں عزیز مصر کی بیوی کے خاندان کے ایک گواہ نے فیصلے کا طریقہ یہ بتایا تھا کہ اگر یوسف کا کرتا آگے سے پھٹا ہے تو عورت سچی اور وہ جھوٹا ہے۔ اگر کرتا پیچھے سے پھٹا ہے تو عورت جھوٹی اور یوسف سچے۔ اس مقام پر قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھا دیا ہے کہ جب شہادت واقعہ موجود نہ ہو' تب قرائن کا استعمال کیا جا سکتا ہے اور اس وقت قرائن صحیحہ اور قیاساتِ قریبہ بھی شہادت کا کام دیتے ہیں۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جس نے شہادت کے اس طریقے کی طرف توجہ دلائی' وہ

شیر خوار بچہ تھا اور اس نے یوسف کو بچانے کے لیے یہ بات کی۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں یہ بچہ نہیں تھا' ایک ہوشیار شخص تھا اور اس نے جو طریق استدلال اختیار کیا' وہ صاف طور پر ظاہر کرتا ہے کہ یہ شخص بالکل عورت کی حمایت میں تھا۔ اگر ہم عورت کے اس بیان پر مروجہ قانون کی روشنی میں غور کریں تو یہ ایک استغاثہ زنا بالجبر ۳۷۶/۵۱۱ کا تھا اور استغاثے کی صداقت خود مستغیثہ کے بیان اور حالت سے ہونی چاہیے تھی۔ عورت کے لباس اور جسم کو دیکھا جاتا' تشدد کے نشانات تلاش کیے جاتے' لیکن رائے دہندہ چونکہ عورت کے گھرانے کا تھا' اس لیے اس نے تحقیقات کا یہ اصلی پہلو اختیار ہی نہیں کیا' بلکہ صرف عورت کا بیان سن کر حضرت یوسف پر صفائی کا بار ڈال دیا۔

۳۔ جب عزیز مصر پر یہ بات واضح ہو گئی کہ ان کی بیوی غلط بیانی سے کام لے رہی ہے اور یوسف پر الزام لگا رہی ہے تو اس نے بیوی سے کہا:

قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ۔ (سورہ یوسف: ۲۸)

''بے شک تم عورتوں کا یہ فریب ہے۔ اور تمھارا فریب بہت بڑا ہے''۔

بعض لوگ عورتوں کی ذہنیت اور سوچ سمجھ کی مذمت بیان کرتے ہوئے یہ آیت پڑھا کرتے ہیں۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں انھیں یاد رکھنا چاہیے کہ یہ اللہ کا فرمان نہیں' بلکہ عورت کے شوہر کا قول ہے۔ یعنی ایک ایسے مرد کا قول ہے جو ایک طرف اپنی عزت کے خوف سے عورت کی بات کو دبانا چاہتا ہے اور ایک طرف سے واقعے سے ملول بھی ہے اور ایک طرف یوسف صدیق سے محجوب بھی ہے۔ وہ اپنی عورت کو الزام دیتے ہوئے یہ نہیں سمجھتا کہ صرف قصوروار ہی کو ملزم ٹھہرانا چاہیے' بلکہ کل جنس اناث کو ملزم ٹھہرا دیتا ہے:

۴۔ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ (آیت نمبر ۴۰)

''اللہ نے ان کی کوئی سند نہیں اتاری''۔

کی تفسیر بیان کرتے ہوئے قاضی صاحب اس کے لغوی معنوں کا ذکر بھی کرتے ہیں اور اس کی تاریخ کی طرف بھی آتے ہیں۔ پہلا حکمران جو تاریخ میں سلطان کے نام سے موسوم ہوا' محمود غزنوی ہے۔

۵۔ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ (آیت نمبر ۳۶)

''میں نے خواب دیکھا کہ شراب کے لیے انگور نچوڑ رہا ہوں''۔
کی تفسیر میں لکھتے ہیں دنیا میں شراب نوشی کا موجد ایران کا بادشاہ جمشید تھا۔

۶۔ دو قیدیوں کے خواب کی تعبیر کے سلسلے میں

فَيُصْلَبُ فَتَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّأْسِهٖ. (آیت نمبر ۴۱)

یعنی ''وہ صلیب پر لٹکایا جائے گا اور پرندے اس کا سر نوچیں گے اور کھائیں گے''۔ کی تفسیر میں قاضی صاحب صلیب کی تاریخ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''عیسائی اگرچہ آج صلیب کے نشان کو حضرت مسیح کے واقعہ سے منسوب کر کے اس کا استعمال کرتے ہیں لیکن ان کا یہ خیال غلط ہے۔ مورخین واقف ہیں کہ نشانِ صلیب بطور نشانِ مقدس حضرت مسیح کی ولادت سے سیکڑوں سال پیشتر ''تھرا ازم'' میں موجود تھا۔ اس مذہب میں سورج کی پوجا کی جاتی تھی اور صلیب کا نشان دائرۂ فلکی کے خطوط طولانی وعرضی کی جائے اتصال کو' جب کہ آفتاب نقطۂ اعتدال پر ہوتا ہے' نمایاں کرتا تھا''۔

۷۔ خواب کی تعبیر بتاتے وقت رہا ہونے والے قیدی سے حضرت یوسف نے فرمایا تھا کہ وہ اپنے مالک یعنی حکمران کو ان کے متعلق بتائے کہ وہ مدت سے جیل میں پڑے ہیں۔ اس موقعے پر قاضی صاحب رقم طراز ہیں:

''یوسف علیہ السلام اس فعل سے ہمارے لیے یہ سبق چھوڑ گئے کہ جب کسی شخص کو اپنی بہبود وسود کا کوئی موقع ہاتھ لگے تو اسے ضائع نہیں کرنا چاہیے''۔

۸۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس ٹھہرایا اور نہایت عزت کے ساتھ انھیں عرش پر بٹھایا۔ یہاں قاضی صاحب لکھتے ہیں:

''تورات اور تاریخ سے ثابت ہے کہ یوسف علیہ السلام کی والدہ کا انتقال بنیامین کی ولادت سے چند روز بعد ہی ہو گیا تھا۔ ان کی خالہ حضرت یعقوب کی بیوی تھیں' جن کا نام لیاہ بیگم تھا' وہی مصر گئی تھیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ والدہ کے بعد سوتیلی ماں کا درجہ مثل والدہ کے ہے''۔

۹۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر سے کہا تھا کہ مجھے ملک کے خزانوں کا سربراہ بنا دیا جائے۔ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ. (سورہ یوسف آیت نمبر ۵۵) ''یعنی یوسف نے کہا مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجیے' کیوں کہ میں حفاظت بھی کر سکتا ہوں اور اس کام سے واقف بھی ہوں''۔

اس سے قاضی صاحب استدلال کرتے ہیں کہ:

- غیر مسلم حکمران سے درخواست کر کے ملازمت حاصل کی جا سکتی ہے۔
- کسی بڑے حکومتی منصب کے حصول کے لیے کوشاں ہونا شرعی اعتبار سے قرین صحت ہے۔
- اپنی تعریف و شناخت کے مواقع پر اپنے ضروری اور صحیح اوصاف کا اظہار جائز ہے۔
- کام کیے بغیر کسی نعمت و دولت سے استفادہ کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔

سورۂ یوسف کی یہ تفسیر اپنی نوعیت کی واحد تفسیر ہے' جس میں لغت کے مسائل بھی زیر بحث آئے ہیں' قانونی نکات کی وضاحت بھی کی گئی ہے' فقہی معاملات بھی معرض بیان میں آئے ہیں' تاریخی واقعات کی طرف بھی قارئین کی عنان توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔

تفسیر ''الجمال والکمال'' کے علاوہ قاضی صاحب نے ''رحمۃ للعالمین'' میں بھی بعض مسائل کو قرآن مجید کی روشنی میں دلنشین انداز میں واضح کیا ہے۔ پہلی جلد میں انھوں نے سلطنت کے اصول' تعلیم و تعلم' نظامِ تبلیغ دین' تہذیب اخلاق اور تمدن وغیرہ امور کو ذیلی عنوانات کے ساتھ منقح فرمایا ہے۔ ان امور میں اگرچہ اختصار سے کام لیا گیا ہے' لیکن اس اختصار میں مناسب الفاظ میں وضاحت بھی آ گئی ہے۔

ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بے شک مختصر طور پر لکھی جائے لیکن اس میں قرآن مجید کی تعلیم کا نمونہ پیش کرنا ضروری ہے۔ فرماتے ہیں:

> ''جس سیرت نبویہ کے ساتھ قرآن مجید کا نمونہ نہیں دکھایا جاتا' وہ کتاب نامکمل ہے۔
>
> ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے دریافت کیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیسے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق

رحمۃ للعالمین کی تیسری جلد کے باب دوم کا آغاز قاضی صاحب نے ایک مستقل عنوان کے تحت کیا ہے اور وہ ہے ''خصائص القرآن''۔ تحریر فرماتے ہیں:

''قرآن کریم وہ پاک کتاب ہے' جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام اللہ بتا کر اپنی زبان مبارک سے حرفاً حرفاً سنایا' لہٰذا سیرت نگارِ نبوی کا فرض ہے کہ قرآن مجید کے متعلق بھی ضروری مباحث کو سیرتِ نبوی کے ساتھ ساتھ پیش کرے۔ کتاب ہذا کی جلد اوّل میں بھی اس مبحث پر چند اوراق پیش کیے جا چکے ہیں' اب اس اختصار سے کچھ آگے بڑھ کر چند مبحث ہدیہ ناظرین کیے جاتے ہیں''۔

قرآن پاک کے نام بھی اسماء الحسنٰی کی طرح ۹۹ تک پہنچتے ہیں' لیکن سب سے زیادہ خاص اس کا نام ''کلام اللہ'' ہے اور سب سے بڑھ کر مشہور اس کا نام ''القرآن'' ہے۔

امام ابن قیم نے اپنی کتاب ''المشوق الی علوم القرآن'' میں تحریر فرمایا ہے کہ لفظ قرآن محاورہ قَرَأْتَ الْحَوْضَ سے ماخوذ ہے۔ جو پانی سے لبالب لبریز ہوتا ہے' اسے قَرَاتِ الْحَوْضَ کہا کرتے ہیں۔ چوں کہ قرآن پاک جملہ علوم پر محتوی ہے اور عرفان تام کا ظرف اور حقائق اصلیہ سے پُر ہے' اس لیے اس کا نام قرآن ہے۔ [1]

اس سے آگے قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف عنوان قائم کیے ہیں' مثلاً ضرورت قرآن' فصاحت و بلاغت قرآن' اصول عبادت' شرف انسانیت' اوامر یعنی کرنے کے کام' نواہی یعنی نہ کرنے کے کام' محرمات' تعاون' عدم تعاون' وزن اعمال' عدل و رحم اور معافی' عفو عام' دشمن کو دوست بنانے کی ترکیب' حریت دین' قول بالا عمل' حلم و تواضع کی تعلیم' ناپسندیدہ عادتیں' اخوت عامہ کی تعلیم' عورتوں کے حقوق مردوں کے برابر ہیں' زن و شوہر کا اتحاد' عورت کو جدا نہ کرنے کی نصیحت' شکر کا حکم اور فائدہ' امتحانِ الٰہی کی چیزیں' امن شکنی عامہ کی ممانعت' امدادِ غربا و مساکین' تاثیر قرآن' نمونہ تعلیم' قبولیتِ قرآن' خصوصیاتِ قرآن مجید' قرآن کی پیشین گوئیاں۔

اس طرح بہت سے عنوانات کے تحت قرآن کی تعلیمات بیان کی گئی ہیں اور جن باتوں کا قرآن نے حکم دیا ہے اور جن سے روکا ہے' ان کی تفصیلات کا ذکر کیا گیا ہے۔

یہ نہایت معلومات افزا موضوع ہے' جو کتاب کے صفحہ ۲۷۲ سے لے کر ۴۷۸ صفحے تک پھیلا ہوا ہے۔ قاضی صاحب کا انداز بیان بے حد دلآویز ہے۔ ہر بات خلوص میں ڈوب کر لکھی گئی ہے۔ زبان صاف اور موثر ہے۔

قاضی صاحب کی ایک اور کتاب شرح اسماء الحسنٰی کا تعلق بھی دراصل قرآن مجید ہی سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ننانوے (۹۹) نام قرآن ہی سے ماخوذ ہیں۔ ہر نام کے لغوی اور اصطلاحی معنے بیان کیے گئے ہیں۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں وہ نام آیا ہے اور جس اسلوب میں آیا ہے' اس کی وضاحت کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس نام کے یہاں لانے کی کیا وجہ ہے۔

تقسیم ملک سے بہت سال قبل دہلی سے خواجہ حسن نظامی نے ملا واحدی کی ادارت میں ''نظام المشائخ'' کے نام سے ایک ماہانہ رسالہ جاری کیا تھا۔ اس کے جولائی اگست (۱۹۲۹ء) کے دو مہینوں کا مشترکہ شمارہ ''رسول نمبر'' شائع ہوا تھا۔ اس میں ''اسماء الرسول'' کے عنوان سے قاضی صاحب کا مضمون چھپا تھا جو صفحہ ۱۰۲ سے لے کر ۱۲۷ تک پھیلا ہوا تھا۔ اس میں قاضی صاحب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ۵۳ اسمائے گرامی کا ذکر کیا تھا جو قرآن مجید سے ماخوذ تھے اور ان کے مطالب بھی بیان فرمائے تھے۔ آخر میں لکھا تھا۔

> ''اب میں اس مضمون کو جو اختصار کے ساتھ لکھا گیا ہے' اسم مبارک احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اعداد (۵۳) پر ختم کرتا ہوں۔ ان شاء اللہ پھر کبھی اسے اسم مبارک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اعداد (۹۳) تک وسعت دی جائے گی اور معانی و لطائف میں بھی ذرہ وسعت سے کام لیا جائے گا اور پھر بھی یہی ہوگا کہ اس اعتراف کو مکرر و سہ کرر دہراتا رہوں گا''۔

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گلچین تو از تنگی داماں گلہ دارد

لیکن افسوس ہے اس کے بعد کا شمارہ مل نہیں سکا اور پتا نہیں چل سکا کہ قاضی صاحب کے مضمون کی اگلی قسط شائع ہوئی یا نہیں۔ اس مضمون کا تذکرہ یہاں اس لیے کیا گیا ہے کہ اس کا تعلق قاضی صاحب کی قرآنی خدمت سے ہے۔

قاضی صاحب کی ذاتِ گرامی میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی خصوصیات جمع فرما دی تھیں اور

وہ اپنے علمی کمالات کی وجہ سے کئی حیثیتوں کے مالک تھے۔ان کی ایک حیثیت مورخ کی تھی' ایک ممتاز سیرت نگار کی تھی' ایک ماہر حدیث کی تھی اور ایک ماہر قرآن کی تھی۔ان کی تصانیف ان تمام حیثیتوں کو اجاگر کرتی ہیں۔اس کے علاوہ بھی ان کی بعض حیثیتوں کا پتا چلتا ہے۔وہ شاعر بھی تھے اور ان کے کلام میں ادبیت کے جوہر بھی بہ درجہ اتم پائے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ان پر یہ بہت بڑا انعام تھا کہ اس نے ان کو صدق نگار قلم عطا فرمایا تھا' حق گو زبان سے نوازا تھا اور محققانہ انداز میں اظہارِ مدعا کی نعمت سے مالا مال کیا تھا۔

اس مضمون میں صرف قرآن سے متعلق ان کی سرگرمیوں کا ذکر کرنا مقصود تھا اور وہ اختصار کے ساتھ کر دیا گیا ہے۔قرآن مجید کے سلسلے میں انھوں نے جو کچھ لکھا ہے' اس سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اگر وہ صرف قرآن کی تفسیر لکھتے تو عظیم مفسر ہوتے اور اگر صرف حدیث کو اپنا موضوع نگارش ٹھہراتے تو ان کی حیثیت جلیل القدر محدث کی ہوتی۔

قاضی صاحب کی تمام تصانیف کے مطالعے کا مجھے شرف حاصل ہے۔ان کی تصنیف رحمۃ للعالمین تو طالب علمی کے ابتدائی دور میں حضرت استاذ مولانا عطاء اللہ حنیف مرحوم سے سبقاً سبقاً پڑھی تھی۔ان کی ہر تصنیف میں مسائل کے حوالے کے لیے قرآن مجید کو اوّلیت حاصل ہے۔اس کے ساتھ ہی حدیث پاک کا سلسلہ چلتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ انھیں قرآن اور حدیث سے بے پناہ تعلق اور قلبی محبت تھی۔

وہ درس قرآن کا بھی التزام کرتے تھے' بلکہ ان سے ملنے والے اہل علم بیان کرتے ہیں کہ وہ انھیں قرآن کا درس دینے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔جس زمانے میں وہ بھٹنڈہ میں سیشن جج تھے' ریلوے اسٹیشن کے قریب کی مسجد میں نماز مغرب کے بعد روزانہ درس قرآن دیتے تھے' جس میں محکمۂ ریلوے کے مسلمان اہل کاروں کے علاوہ شہر کے عام لوگ بھی اچھی خاصی تعداد میں شریک ہوتے تھے۔

اس ذی مرتبت عالم نے دوسرے حج سے واپسی پر ۳۰ مئی ۱۹۳۰ء کو بحری جہاز میں وفات پائی اور جہاز ہی میں ان کا جنازہ پڑھا گیا۔مولانا اسماعیل غزنوی (وفات ۱۳۔ جون ۱۹۶۰ء) اور مولانا غلام رسول مہر (وفات ۱۶ نومبر ۱۹۷۱ء) بھی اس جہاز میں سوار تھے۔جنازہ مولانا اسماعیل غزنوی نے پڑھایا تھا۔جنازے کے بعد ان کی میت سمندر کی لہروں کے سپرد کر دی گئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

تصانیف

رحمۃ اللعالمین
شرح اسماء الحسنیٰ
تاریخ المشاہیر
تاریخ الحرمین
تفسیر سورۃ یوسف
تائید الاسلام
غایت المرام
مہر نبوت
اصحاب بدر
مکاتیب سلمان
خطبات سلمان
گلدستہ مضامین سلمان

مترجم

الصلوٰۃ والسلام
از ابن قیم

آئینہ تصوف
از امام الغزالی

علامہ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری